گوشہ ڈاکٹر محمود احمد غازی

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان میں ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی خدمات کا جائزہ

*محمد اکرم ساجد

**محمد عبداللہ

Abstract

Dr. Mahmood Ahmed Ghazi a well known scholar, professor, administrator, supervisor, advisor, minister for religious affairs, writer and jurist, played well his innings on every walk of life. He served as a member at Islamic Ideological Council of Pakistan for two terms. On this forum he visualized the institution to the best of his extents. He peeped into the problems that were over-sighted from the past years. He personally took keen interest and went far off places to get first hand knowledge, provided the information to the inquiry and prepared the said issue's solution. He touched the common man's problems, elaborated its social importance and replied the quiries on current questions. The illustrations before the judiciary and law inforcing agencies were given in a particular atmosphere of the question. Difficulties like publically hanging, the political and social rights of the people according to international laws, judicial system prevailing in Baluchistan, economic system, the handing over of missionary institutions to churches, the applicant and accused should come directly to the court instead of merely advocates insurance policy and its justification were discussed in the council, these burning topics were put before the members and recommendations were suggested in the new framework. This creative, valuable and practicable work should be practised in its true form.

*لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور

**ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ (1950ء۔ 2010ء) قدیم و جدید علوم کے شناور تھے۔ آپ تحریر و تقریر میں یکساں قدرت کے حامل تھے۔ آپ نے علوم وفنون کے کئی دائروں میں خدمات سرانجام دیں بطور محقق، استاد، مصنف اور جج کے علاوہ بھی کئی انتظامی عہدوں پر فائز رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی خدمات کے متنوع پہلو ہیں۔ فقہ وقانون سے دلچسپی آپ کی متعدد تصانیف سے عیاں ہے۔ یہی نہیں آپ نے کئی اہم قانونی اور آئینی اداروں میں بھرپور خدمات سرانجام دی ہیں۔ انھی میں ایک ادارہ اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کا مختصر تعارف:

اسلامی نظریاتی کونسل درحقیقت طویل انگریزی استعماری دور کے بنائے ہوئے آئین وقوانین کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کے لئے ایک راہنما ادارہ ہے۔ (پاکستان میں ہنگامی حالت میں 1935ء کے قانون کو ہی تھوڑی سی ترامیم کر کے 1956ء میں پہلے دستور کی صورت میں نافذ کر دیا گیا تھا۔ لیکن اجتماعی عوامی شعور کے دباؤ پر 1949ء میں قرارداد مقاصد میں آئین کو اسلامائز کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔

پاکستان میں قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنے میں جہاں ابہام واستفسار کی ضرورت ہو وہاں کونسل راہنمائی کرتی ہے۔ تینوں دساتیر میں اگرچہ اس کے نام بدلتے رہے لیکن بنیادی طور پر اس ضرورت کو محسوس کیا جاتا رہا۔ اس کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ جب کوئی مسئلہ یا ہنگامی نوعیت کا سقم ورکاوٹ محسوس ہو تو اسلامی نظریاتی کونسل راہنمائی کرے۔ اس ادارہ کے قیام سے لے کر اب تک بیسیوں موضوعات پر سفارشات مرتب کیں اور سینکڑوں سوالوں کے قرآن وحدیث کے مطابق جواب دے کر اس ادارہ نے یہ منفی تاثر ختم کر دیا ہے کہ مسلمانوں کے پاس جدید دور کے تقاضوں کے مطابق کوئی اجتہادی ادارہ موجود نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ بطور ممبر اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے اپنی بصیرت، ادراک اور خلوص سے کام لے کر وہ نئے پہلو اور جدید ترین افق ہمارے سامنے لائے جن سے ان کی ہر میدان میں خداداد صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ زیر نظر مضمون اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان میں آپ کی قانون سازی میں خدمات کا جائزہ لینا مقصود ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل میں محمود احمد غازی کی خدمات کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

- کونسل کے لیے راہنما ہدایات
- سفارشات کی تیاری/ قانون سازی میں حصہ

- استفسارات کے جوابات
- مستقل رپورٹس کی تیاری

آپ نے اسلامی نظریاتی کونسل کے پلیٹ فارم سے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلامائزیشن کے عمل میں بھرپور حصہ لیا۔آپ دوبار یعنی آٹھ سال 2000-1997 ,93-1990 تک چونکہ اس ادارہ کے فعال رکن رہے لہٰذا اپنی بہترین صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے ان ابہامات کو دور کرنے کی بھرپور سعی کی جو انگریز دور کے قانون کے ملک میں لاگو ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے۔خوش نصیبی سے جہاں مملکت خداداد کی تقریباً سو فیصد آبادی مسلمان ہے۔وہاں بھلے اقتدار علمائے دین کے ہاتھ میں نہ سہی عوام کے اجتماعی شعور کے اسلامی ہونے کی بناء پر غیر اسلامی دستور کی بہت سی شقیں دینی روح کے مطابق بنانے کے سلسلہ میں ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے استفسارات کے قرآن وسنت اور تاریخِ اسلام کے زریں دور سے مدد لے کر تشفی بخش جوابات دیئے۔ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

برسرعام پھانسی کی سزا:

مثال کے طور پر 19 فروری 1992ء کو وزارتِ مذہبی امور کی جانب سے اسلامی نظریاتی کونسل آف پاکستان کو یہ سوال موصول ہوا۔

A notice has been received from the Supreme Court of Pakistan in which the court has taken Suo Moto cognizance of public hanging in Pakistan as appearing in the press reports. The court is examining the question as to whether such public hanging is violation of fundamental rights as embodied in the constitution of Pakistan relating the dignity of man.[1]

آپ نے اپنے دیگر رفقاء کی مدد سے مجرم کو اقدام قتل کے جرم میں سرعام پھانسی دینے بارے قانون کی راہنمائی اس طرح سے کی۔

''کثرت رائے سے قانون وسیاسی اصلاحات کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ سزائے موت (پھانسی، رجم، گولی مارنا یا تلوار سے قتل کرنا) اور سزائے تازیانہ برسرعام ہونی چاہیے جیسا کہ حافظ محمد لطیف سلیمی اور مولانا عبدالغفار حسین (ممبران کونسل) نے رائے دی ہے۔[2]

قرآن وحدیث سے اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

The [unmarried] woman or [unmarried] man found guilty of sexual intercourse - lash each one of them with a hundred lashes, and do not be taken by pity for them in the religion of Allah , if you should believe in Allah and the Last Day. And let a group of the believers witness their punishment.3

اور چاہیے تمہارا ایک گروہ مومنین ان دونوں کی سزا کے وقت مشاہدہ عین کر رہے ہوں۔
جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرتے ہیں ان کو قتل کر دیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے۔ یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت کے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو یہاں سے جلا وطن کر دیا جائے ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىُ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ. وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ o

Indeed, the penalty for those who wage war against Allah and His Messenger and strive upon earth [to cause] corruption is none but that they be killed or crucified or that their hands and feet be cut off from opposite sides or that they be exiled from the land. That is for them a disgrace in this world; and for them in the Hereafter is a great punishment,

مزید یہ کہ حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں حضرت ام ورقہؓ کو ان کے غلام اور باندی نے قتل کر دیا اور رات کی تاریکی میں فرار ہو گئے۔ جب حضرت عمرؓ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ان دونوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا گرفتاری کے بعد ان دونوں کو موت کی سزا دے دی گئی۔ جن اجتماعی جرائم پر قرآن پاک نے سولی یا دیگر سزاؤں کا ذکر کیا ہے ان کے نفاذ و اطلاق کے بارے میں تفصیلات فراہم نہیں کیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ○

آنحضورﷺ نے جرم کی سنگینی کے پیش نظر مجرم کو اس کی زیادتی کا مزا چکھانے اور دیگر لوگوں کے لیے عبرت کا سامان بنانے کے لیے مختلف طریقے اختیار فرمائے۔ آپﷺ کے اتباع میں ہر مسلمان قاضی سزا دینے کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنے کا مجاز ہے۔ جس میں مجرم کو زیادہ سے زیادہ نصیحت اور اس کی رسوائی کا سامان ہو۔ عامۃ الناس کو اجتماعی نوعیت کے سنگین جرائم سے دور رکھنے کے لیے سر عام پھانسی دینا مقاصد کے حصول میں زیادہ ممد و معاون نظر آتا ہے۔ اس کی تائید میں سعودی عرب کی مثال دی جا سکتی ہے کہ سر عام جب مجرم کا سر قلم کیا جاتا ہے تو خون کا آنکھوں کے سامنے بہنا دوسروں کو عبرت دلا کر مزید خون ریزی سے روک دیتا ہے۔ ایسا ہی آنحضورﷺ کے دور سعید میں ہوا۔ مدنی دور میں آپ نے اکا دکا لوگوں کو ہی سزا دی کیونکہ جب سب لوگوں کی موجودگی میں سزا دی گئی تو دیکھنے والے سزا کے خوف سے جرم سے باز آ گئے۔

شہری و سیاسی حقوق سے متعلق بین الاقوامی میثاق میں شمولیت:

اسی طرح سے وزارت مذہبی امور نے 6 مئی 1992ء کو کونسل سے دریافت کیا ایمنسٹی انٹرنیشنل نے حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ وہ انسانی، شہری اور سیاسی حقوق نیز معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق سے متعلق بین الاقوامی میثاق پر دستخط کر کے اس میثاق میں شامل ہو جائے۔[5]

کونسل نے محولہ بالا میثاق میں شامل ہونے بارے اپنے تیرھویں اجلاس منعقدہ 20, 21 فروری 1993ء میں غور کیا۔ اور اس کی لیگل کمیٹی نے یہ فیصلہ منظور کیا۔

کونسل نے طے کیا کہ اس میثاق میں اصولی طور پر فی الجملہ کوئی امر خلاف قرآن و سنت نہیں تاہم ان کے اصول و ضوابط اور ان کی تشریح و تعبیر قرآن و سنت، پاکستان کے آئین اور قانون کے تابع ہوں گے اور ان کی کوئی

ایسی تعبیر وتشریح معتبر نہ ہوگی جو قرآن وسنت اور پاکستان کے آئین وقانون سے متصادم ہو۔[۶]

بلوچستان میں نظام قضاء۔قاضی عدالتوں کی اصلاح وتوسیع کے لیے تجاویز:

اسلامی نظریاتی کونسل سے بلوچستان میں نظام قضا (قاضی عدالتوں کی اسلامی شریعت کی روشنی میں حیثیت) کے بارے میں استفسار کیا گیا تو کونسل نے آپ کی سربراہی میں 20 تا 22 ستمبر 1992ء میں بلوچستان کے اضلاع قلات، مستونگ وغیرہ میں نظامِ قضا کے مطالعہ کی غرض سے مستونگ کا دورکیا۔اس دوران غازی صاحب نے قاضی عدالتوں کا دورہ بھی کیا اور حکومت کو رپورٹ دی کہ:

عدالتوں کے معائنے، قاضی صاحبان، ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج، سیشن ججز، وکلاء (مسلم اور غیر مسلم) سے ملاقات کر کے اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ اس کے علاوہ متعلقہ قوانین اور رائج الوقت شرعی ضابطہ دیوانی کا بھی بغور جائزہ لیا۔کمیٹی اس امر پر خوشی کا اظہار کرتی ہے کہ شریعت کے اصولوں کے عین مطابق قضا کا یہ نظام فوری اور مفت انصاف فراہم کرتا ہے اور اس نظام کو عامۃ الناس کا اعتماد بھی حاصل ہے۔ یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ علاقہ کے ہندو اور عیسائی بھی اس نظام سے مطمئن ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ ان کے مقدمات عام سیکولر عدالتوں کے بجائے قاضی عدالتوں میں لے جائے جائیں۔خود ارکان کمیٹی سے ایک ہندو وکیل جناب میمن داس نے اپنے یقین اور اعتماد کا اظہار کیا کہ قاضی عدالتوں کا دائرہ کار پورے صوبے پر محیط کر دینے سے عدل وانصاف کے تقاضے بدرجہ اتم پورے ہوں گے۔[۷]

آپ نے محکمہ قضاء کو مزید فعال بنانے کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز بھی دیں:

۱۔ حدود آرڈیننس اور دیت وقصاص کے قوانین کے تحت مقدمات کا اختیار سماعت قاضیوں کو دیا جائے۔ان کے فیصلے کے خلاف اپیل کا اختیار عدالت ہائے مجلس شوریٰ کو دیا جائے۔

۲۔ عدالت ہائے مجلس شوریٰ کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کے لیے وفاقی شرعی عدالت کا ایک بینچ بلوچستان میں قائم کیا جائے جس کے ججوں میں علماء اور سینئر ممبران مجلس شوریٰ کو مساوی طور پر شامل کیا جائے۔

۳۔ صدر مجلس شوریٰ اور چیئرمین مجلس شوریٰ ممبران شوریٰ سے کسی ایک کو مقرر کیا جائے نہ کہ سیشن جج کو جیسا کہ قانون میں واضح طور پر درج ہے۔

۴۔ دستور العمل دیوانی قلات میں 1984ء میں ترمیم کر کے صدر کی رائے کو فوقیت دی گئی ہے اسے ختم کر

کے کثرت رائے کے قانون کو نافذ کیا جائے جیسا کہ ضابطہ دیوانی میں ہے۔

۵۔ اس نظام کو فوری طور پر دوسرے اضلاع میں نافذ کیا جائے۔

۶۔ دوسرے صوبوں میں اسے تدریجاً نافذ کیا جائے۔

نظام معیشت:

12 مارچ 1992ء کونسل کو ایک مراسلہ موصول ہوا کہ کیا کراچی سٹاک ایکسچینج کا کاروبار اور اس کا طریقہ کار اور قوانین وضوابط شریعہ اسلامی کی روشنی میں درست ہیں؟

اس سلسلہ میں اسلامی نظریاتی کونسل نے یہ استفسار ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد کونسل نے پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی رکن کونسل کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ کمیٹی کے فیصلے کی روشنی میں ایک تفصیلی جواب مرتب کریں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس مسئلے پر ایک تفصیلی جواب کونسل کے اجلاس منعقدہ اسلام آباد 21 فروری 1993ء میں پیش کیا، جسے کونسل نے بغیر کسی ترمیم کے بطور فیصلہ منظور کر لیا۔

پاکستان سٹاک ایکسچینج کی تفصیلی یادداشت میں جو سوالات پوچھے گئے ہیں ان سب میں قدرِ مشترک ان چیزوں کی خرید وفروخت ہے جو ابھی بھی موجود نہیں ہے اور آئندہ کسی تاریخ یا مرحلہ پر ان کی فراہمی کی جانی چاہیے۔ اصولی طور پر شریعت اسلامیہ میں خرید وفروخت کے ایسے معاملات درست نہیں مانے جاتے جن میں خریدی جانے والی چیز وجود ہی نہ رکھتی ہو۔لیکن کاروباری سہولت اور آسانی کرنے کے لیے شریعت نے اس صورت میں بیع سلم کی گنجائش رکھی ہے۔جس میں آئندہ فراہم یا دستیاب ہونے والے سامان کی خرید وفروخت کی جا سکتی ہے۔لہٰذا اسٹاک ایکسچینج کے وہ تمام معاملات جو بیع سلم کی شرائط پوری کرتے ہوں جائز قرار پائیں گے اور جن معاملات میں یہ شرائط پوری نہیں ہوتیں وہ جائز نہیں ہوں گے۔[۸]

مشنری اداروں کی واپسی:

اسلامی نظریاتی کونسل کا پلیٹ فارم درحقیقت ایک مشاورتی وراہنمائی کا ادارہ ہے اس ادارے کے سپرد یہ کام ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ضرورت ہو دینی ماحول میں اداروں اور خصوصاً قانون ساز اداروں کی راہنمائی کرے۔ سابق صدر پرویز مشرف کے دور میں محض غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے برطانوی استعماری دور میں مشنری سرگرمیوں کے لیے قائم کردہ تعلیمی اداروں کو (1974ء میں قومیائے گئے) ان کے مالکان یا مذہبی دعویٰ داروں کو

واپس کرنے بارے میں بھی آپ نے بڑی بصیرت افروز اور دینی و علمی حمیت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے خدمات و مشوروں سے نوازا۔

پچھلے تقریباً پندرہ برس سے تعلیمی میدان میں پرائیویٹ سیکٹر کی حوصلہ افزائی کا رجحان غالب رہا ہے۔مگر اس کے شاخسانے کے طور پر 1972ء میں سرکاری تحویل میں لیے گئے مشنری تعلیمی اداروں کو واپس کرنے کے مضمرات کی طرف بھی اشارہ کیا۔آپ نے باقاعدہ اس میں کاروائی کے علاوہ غیر رسمی طور پر ان حضرات کے ذریعے بھی کونسل کی تشویش سے ارباب اقتدار کو آگاہ کیا جو حکومت کے اس اقدام کو روکنے کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کر سکتے ہیں یا ان کو قائل کر سکتے ہیں اس کے علاوہ صدر اور وزیر اعظم کو بھی اس کے عواقب اور اثرات سے آگاہ کیا۔

مزید یہ کہ ان تعلیمی اداروں کو (جن میں گورنمنٹ ایف۔سی۔کالج لاہور کو 19 مارچ 2003ء کو پریسبیٹرین چرچ امریکہ کے حوالے کر دیا گیا) واپس کرنے کے تہذیبی، سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور نفسیاتی اثرات وخطرات سے آگاہ کیا۔اس کے علاو 1972ء میں جب یہ ادارے حکومت نے قومیائے تو مقصد محض خواندگی میں اضافہ اور عوامی فلاح و بہبود مدنظر تھی نہ کہ کوئی مذہبی وسیاسی واقتصادی وجہ۔لہٰذا اب اگر مذہب (عیسائی) کی بنیاد پر مشنری اداروں کی واپسی کی گئی تو دیگر مذہبوں یا فرقوں کے قومیائے گئے تعلیمی ادارے ان کو واپس کرنے کا دروازہ کھل جائے گا۔ربوہ کالج جھنگ قادیانیوں کو دینا پڑے گا۔اس بناء پر یہ صورتِ حال جوں کی توں رہنی چاہیے اور یہ ادارے ان موجودہ دعویٰ داروں کو (اصل مالکان بھی اب دعویٰ دار نہیں ہیں) نہیں دیئے جانے چاہیں۔9

آج محض آٹھ سال گزرنے پر ہی ان اداروں کے اندر اخلاقی بے راہ روی، تعلیم کا مہنگا ہونا، یورپی مخلوط کلچر کا در آنا، مخلوط نظام تعلیم کا عام ہو جانا، ڈانس پارٹیاں منعقد ہونا، استاد کا منہ زور طلباء کے سامنے بے بس نظر آنا اور طلبا وطالبات کا لباس کے معاملے میں من مانی کرنا جیسے اقداماتِ بد کو دیکھا جائے تو ڈاکٹر صاحب کی بصیرت کو داد دینے کو جی چاہتا ہے جنھوں نے قبل از وقت ان مضمرات سے آگاہ کر دیا تھا۔

وکیل کی بجائے مدعی اور مدعا علیہ کا دالت میں خود پیش ہونا:

اسی دوران رکن کونسل ارشاد الحق اثری نے عدالتی نظام میں موجود سقم کی طرف توجہ دلائی کہ، ہمارے ہاں عدالت کے سامنے مدعی اور مدعا الیہ پیش ہو کر اپنا نقطہ نظر بالمشافہ بیان نہیں کرتے بلکہ دونوں طرف سے وکلاء عدالت کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور مقدمہ کا کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں دونوں فریقوں کے موقف سے ہٹ کر بات کرتے ہیں پیچیدگیاں پیدا کر کے کیس کو لمبا کر دیتے ہیں۔جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کرتے

ہوئے رائے دی، جس کا خلاصہ اس طرح سے ہے۔

ضابطہ دیوانی اور فوجداری کے چھ سو ساٹھ صفحات ہیں ان کا جائزہ طویل بحث و مباحثہ کا متقاضی ہے۔ شق وار اس کا جائزہ لیا جانا چاہیے کہ شرعاً یہ قابل قبول ہے کہ نہیں یا پھر اس میں جزوی ترمیم سے کام بن سکتا ہے کہ نہیں۔ ذیلی کمیٹیاں کراچی، اسلام آباد، پشاور، لاہور، کوئٹہ وغیرہ میں ان پر کام کریں پھر ترکی میں مجلّہ میں دیوانی ضابطے سے متعلق احکام خاصی تفصیل سے موجود ہیں۔ دوسرا اردن اور سعودی عرب میں اس طرح کے ضابطے تیار ہوئے ہیں۔ ان سب کو سامنے رکھ کر اسلام کے احکام سے ہم آہنگ ضابطہ دیوانی اور فوجداری مرتب کیا جا سکتا ہے۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں۔

اسی طرح کسی سرکاری افسر نے جرم کا ارتکاب کیا تو آپ حکومت کی اجازت کے بغیر اس کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کر سکتے مجرم مجرم ہے اگر وہ سرکاری افسر ہے تو دوہری سزا کا مستحق ہے قرآن مجید کے نصوص سے فقہا نے ثابت کیا ہے کہ اگر سرکاری افسران اور قائدین کسی جرم کا ارتکاب کریں تو انھیں دوہری سزا دی جائے گی۔ چہ جائیکہ انھیں تحفظ دیا جائے کہ حکومت کے بغیر ان کے خلاف کاروائی نہ ہو۔ انگریزوں نے اپنے ملازمین اور افسران کو جن پر ان کی حکومت کا دارومدار تھا تحفظ دینے کے لیے اور عام آدمی سے ایک بالا دست حیثیت دینے کے لیے اس طرح کے احکام اس میں رکھے جو شریعت سے متصادم معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فیصلے پر بہت جلد عمل درآمد کیا جائے اور ایک ایسا ضابطہ تیار کیا جائے جس سے شریعت کے قوانین کا مزید استہزاء اور تمسخر نہ ہو۔[11]

رائج الوقت بیمہ اور اس کی شرعی حیثیت:

آئین کی دفعہ 230 کے تحت اسلامی نظریاتی کونسل نے بیمہ سے متعلق گیارہ قوانین کا جائزہ لیا اور اس سلسلہ میں اپنی سفارشات ایک رپورٹ کی صورت میں حکومت کی خدمت میں پیش کیں۔ کونسل نے اپنے 1983ء کے اجلاس میں جس میں ماہرین بیمہ بھی شامل تھے یہ طے کیا کہ رائج الوقت نظام بیمہ کا اسلامی نقطہ

نظر سے جائزہ لینے اور ایک ایسے اسلامی نظام بیمہ کا خاکہ تیار کرنے کے لیے جو اجتماعی تکافل و تعاون کی اسلامی اقدار پر مبنی ہو، ایک ورکنگ گروپ قائم کیا جائے جس میں کونسل کے علماء اور ملک کے ماہرین بیمہ دونوں شامل ہوں۔ مذکورہ بالا فیصلے کے مطابق کونسل کے ورکنگ گروپ متعلقہ بیمہ کی تشکیل 1986ء میں عمل میں آئی۔ اس گروپ میں علماء ارکان اور چار سرکاری بیمہ کارپوریشنوں کے چیئر مین صاحبان کے علاوہ حکومتِ پاکستان کے

کنٹرولر آف انشورنس بھی شامل تھے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے کنویر جسٹس عبدالرحمٰن کیف کے ہمراہ اپنے دیگر رکن رفقاء ارشاد الحق تھانوی، عباس حیدر عابدی اور سید ذاکر حسین شاہ کی معاونت سے حکومت کی قانون سازی میں یہ راہنمائی کی۔

معاہدہ بیمہ اپنی تمام شکلوں میں ناجائز، فاسد، باطل، ممنوع اور ناقابل نفاذ ہے۔[12]

ہاں البتہ بیمہ کی جائز صورتیں یہ ہیں۔ بیمہ کا عمل اگر تعاون، تکافل، تضامن اور تبرع کے جذبات اور بنیاد پر ہو تو شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

۱۔ سب ممبران کی اقساط بدل کرادارے کی بجائے محض تعاون کی نیت سے جمع کرائی جائیں۔

۲۔ خطرے کے وقت ضمانت دینے والے کو ادائیگی صرف تبرع تصور ہو گی۔

۳۔ جمع شدہ رقم سود پر نہیں دیا جائے گا۔

۴۔ جمع شدہ رقم میں سے کسی بھی ممبر کو قرضِ حسنہ دیا جا سکتا ہے۔

ایک اور مستحسن صورت آپ نے یہ قرار دی ریاست اگر اپنے رفاہی فرائض کی بجا آوری کے طور پر بیمہ کمپنیوں کی بجائے کوئی ایسا ادارہ بنا دے جو خطرہ کے وقت نقصان کی صورت میں تلافی کرے اور بعد میں جب وہ اس پریشانی سے نکل آئیں تو ان سے معمولی رقم لے لی جائے تاکہ مستحقین کی آئندہ بھی مدد ہو۔[13]

آپ کی رائے میں حکومتی سرپرستی کے باوجود شرعاً کاروبار میں جائز صورت پیدا نہیں ہوئی کیونکہ اس کاروبار کی تجارتی بنیاد بدستور قائم ہے۔ دینِ حنیف انسانی زندگی میں مستقبل کی پیش بینی وتحفظ کے خلاف نہیں ہے۔ اس کی ایک صورت تو حکومت وقت کی کفالت عامہ اور بنیادی ذمہ داری کا لحاظ وخیال رکھا گیا ہے۔ پھر افرادِ معاشرہ بھی اس سے لاتعلق وخودغرض نہیں رہ سکتے بلکہ پوری ملت اسلامیہ ایک خاندان ایک جسم ایک دیوار کی طرح متحد ہیں کسی پر بھی کڑا وقت آئے۔ وہ فوراً متحرک ہو کر تحفظات کا ایک ایسا خوبصورت دائرہ اس محروم کے گرد کھینچ دیتے ہیں کہ اسے بے چارگی یا تنہائی کا احساس بالکل نہیں ہوتا۔

پھر آنحضور ﷺ کی حیات مبارکہ سے بھی پس انداز کرنے، زندگی میں سادگی اختیار کر کے نفسیاتی طور پر مشکل کے لیے تیار رہنے کا درس دیا گیا ہے۔ قناعت اور تھوڑے میں گزارہ کر لینے کی ترغیب درحقیقت اسی سمت میں رہنمائی کرتی ہے کہ اگر زندگی میں کوئی مشکل وقت آئے تو ہر ممکنہ طور پر انسان ہاتھ پھیلانے کی بجائے توکل وصبر اور برداشت کر کے اپنی تکلیف کو دوسروں کے سامنے اس طرح نہ رکھے کہ معاشرہ بھکاریوں کی فوج پالنے والا بن کر رہ جائے۔

امام بخاری نے نفقات (Maintenance) کے عنوان میں یہ حدیث مبارکہ لکھی ہے:

"عن عمرؓ ان النبیﷺ کان بیع نخل بنی النضیر ویجبس لا هله قوت سنتهم ."

"رسول اللہﷺ بنی نضیر والی کھجوریں فروخت کر کے اپنے اہل خانہ کے لیے سال کی خوراک روک لیا کرتے تھے۔" ۱۴

آپﷺ یہ انتظام اس لیے فرماتے تھے کہ امت کو یہ عملی درس دینا مقصود ہے کہ اہل وعیال کی فکر، تقویٰ، دینداری اور توکل کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ایک بار آپﷺ نے فرمایا:

"ان امر کن مما یھمنی من بعدی" ۱۵

"مجھے اپنے بعد جن چیزوں کی فکر رہتی ہے ان میں سے ایک تم لوگوں کا بندوبست بھی ہے۔"

میثاقِ مدینہ میں شق نمبر ۳ میں ہے "قریش سے ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین اپنے محلّہ پر ذمہ دار ہونگے اور اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھوڑائیں گے تاکہ ایمان والوں کا باہمی برتاوٴ نیکی اور انصاف کا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ کام عاقلہ کے ادارہ سے لیا گیا جو ملت ابراہیمی کے باقیاتِ صالحہ کے طور پر عرب میں موجود تھے۔ مسلمان فقہا نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عاقلہ اور معاقل کے نظام کو وسعت دی اور اس کو نئی جہتیں بخشیں۔

آپ کے خیال میں باہمی کفالتی مشارکہ دارالکفالت، ادارہ وقف علی اولاد، وقف علی الاقارب، قرض حسنہ، وصایہ، معاقل اور صنعتی، تجارتی، زراعتی تعاون باہمی بھی بیمہ کا متبادل ہوسکتا ہے۔ ۱۶

اجتماعی جبری عصمت دری بارے قانون:

اسی طرح سے وزارت مذہبی امور کے آفس میمورنڈم سے 12 جون 2003ء کو قانون وانصاف کے ڈویژن کا ترمیمی بل موصول ہوا جس میں جرم زنا آرڈیننس کی دفعہ 16(4) میں ترمیم کی تجویز کی گئی۔ سوال یہ تھا۔ جب موجب تعزیر زنا بالجبر کا دو یا دو سے زیادہ (شق سے ان سب کی مشترکہ نیت کی پیش رفت) میں ارتکاب ہو جائے تو ایسے اشخاص میں سے ہر ایک سزائے موت کا مستوجب ہوگا۔ بحث وتمحیص کے بعد قرار پایا کہ یہ ترمیم غیر ضروری ہے اس میں صرف اتنی ترمیم کی جائے کہ مقصد مشترکہ Common Intention کے الفاظ نکال دیئے جائیں۔

معاشرتی اصلاحات

خصوصی رپورٹ:

مورخہ 18مارچ 1990ءکو اسلامی نظریاتی کونسل کے افتتاحی اجلاس کے موقع پر وزیراعظم پاکستان نے اہم قومی، معاشرتی، قانونی اور معاشی مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے کونسل کو سفارشات مرتب کرنے کا مشورہ دیا۔ اس مشورہ کے پیش نظر کونسل نے اپنے پہلے ہی اجلاس میں مختلف ذیلی کمیٹیاں تشکیل دیں۔ معاشرتی اصلاحات کی کمیٹی کے کنویز ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ مقرر ہوئے۔ چنانچہ پروفیسر موصوف نے 24ابواب اور 155 صفحات پر مشتمل ایک جامع رپورٹ تیار کی۔ جسے کونسل نے دسمبر 1992ء میں منظور کرلیا۔ (رپورٹ معاشرتی اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان 1993ءتعارف)

چیئرمین جسٹس (ر) محمد حلیم نے رپورٹ کے بارے میں لکھا ''کونسل کے زیرنظر رپورٹ کا تعلق اسلامی معاشرہ سے ہے۔ جس میں قیام پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ ان تمام مسائل ومشکلات کا دقت نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔ جو اس وقت انفرادی طور پر ہمارے عوام اور بحیثیت مجموعی پورے معاشرے کو درپیش ہیں جن کا کوئی قابل عمل حل پیش نظر نہ ہونے کے باعث ہم ایک طرح کے انتشار میں مبتلا ہیں۔ (ایضاً)

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے بطور تمہید معاشرتی اصلاح کا دائرہ کار اور اس کے بنیادی عناصر کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جن میں علماء کرام، صحافی، اساتذہ، سماجی کارکن، ادیب، شاعر، طبیب ومعالج اور وکلاء، قانون دان حضرات شامل ہیں۔ رپورٹ کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

مذکورہ رپورٹ میں ڈاکٹر غازیؒ نے بعض نہایت مفید اور جدت پسند پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے۔ مثلاً پہلے باب میں عاقلہ کا تصور (ص۱۳)، خادمین ملت اور انصار اللہ کا قیام (ص ۳۸)، موبائل عائلی عدالتیں (ص ۳۵)، ہر مسجد میں بنیادی ہیلتھ یونٹ کی فراہمی (ص۴۴)، سفارشات برائے ذرائع ابلاغ (ص۹۷)، اسلامی ادارہ حسبہ کا قیام (ص ۱۰۸)، حلف الفصول کا قیام (ص ۱۲۹)، علاوہ ازیں کم وبیش ہر باب کے آخر میں قابل عمل صورت میں تجاویز وسفارشات بھی پیش کی ہیں۔

خلاصہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر محمود احمد غازی اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنی ہر ذمہ داری سے بہترین طور پر عہدہ برآ ہوئے۔ خصوصاً قانونی امور کی وضاحت کے سلسلہ میں آپ کا مملکت پاکستان میں اسلامائزیشن کے عمل میں حصہ قابل قدر ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے دو بار رکن رہتے ہوئے انہوں نے گہری

بصیرت اور وسیع مطالعہ سے مروجہ قوانین سے اختلاف بھی کیا۔ مستقبل کے لیے قرآن و حدیث کی راہنمائی میں قانونی خاکے بھی تیار کر لیے۔ بلوچستان ایسے دور دراز علاقے میں خود مشاہدہ کر کے عدالتی امور میں اسلامی رنگ کی حوصلہ افزائی بھی کی اور معاشی و معاشرتی امور بارے اپنی رائے کا کھل کر اظہار کیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ قابل قدر اور وقیع کام کتابوں سے نکال کر اہل ذمہ نفاذ کے عمل سے گزاریں۔

حوالہ جات

1۔ Constitution of Pakistan, Article 14, Fundamental Rights, Mansoor Law Books, Lahore, 1980, P. 12.

2۔ سالانہ رپورٹ 93-1992، اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان، اسلام آباد، ص 13

3۔ النور، 3:24

4۔ المائدہ 33:5

5۔ Organization of United Nations, Resolution No 2200 December 16, 1966, New York, United States of America, 1993.

6۔ سالانہ رپورٹ اسلامی نظریاتی کونسل، ص 44

7۔ سالانہ رپورٹ 9-1992، ص 67

8۔ ایضاً، ص 93

9۔ سالانہ رپورٹ 98-1997، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد، ص 37-36

10۔ ایضاً، ص 126

11۔ ایضاً، ص 127

12۔ ایضاً، ص 12

13۔ ایضاً، ص 13

14۔ محمد بن اسماعیل، بخاری، الصحیح البخاری، النفقات، بـاب حبـس الـرجل قوت سنته علی اهله، بیروت، لبنان، 1991، ص 128

15۔ مشکوۃ المصابیح، جلد 2، ص 567، 1992

16۔ رپورٹ اسلامی نظام بیمہ، اسلامی نظریاتی کونسل، 1992، ص 69

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی فقہی خدمات کا تحقیقی جائزہ

*محبوب الرحمٰن قریشی

**عبداللہ

Abstract

Dr. Mahmood Ahmad Ghazi had keen interest in Fiqh and international law of Islam. In the form of his matchless books, he contributed a lot in this field. In these books he highlighted the distinctive features of Islamic Jurisprudence. According to Dr. Ghazi's views, Islamic jurisprudence is the superior law in this world because of its comprehensiveness. In the modern ages, science and technology brought numerous changes in our daily life. In these circumstances the humanity is being confronted with hundreds of new problems. Dr. Ghazi was not in the favor of sticking to a single school of thought to solve the newly emerged challenges of modern era. He analyzed that solution of all modern problems is not available in any single school of thought. So he introduced the term of cosmopolitan Fiqh, which is a combination of all schools of thought. This concept is still at its juvenile stage and its rules and regulations are still to be formulated. This process may take several years. The article is beneficial for those who are attached with Islamic Jurisprudence, in any context.

ڈاکٹر محمود غازی ایک جامع شخصیت کے مالک تھے۔ایک محقق،ایک مصنف، مفسر، فقیہ، غرض علوم اسلامیہ کے ہر میدان میں تخصص کی حد تک کمال حاصل تھا، دیگر علوم کے علاوہ فقہ اسلامی آپ کی دلچسپی کا خصوصی مضمون تھا اور اس پر کامل دسترس حاصل تھی۔ "محاضراتِ فقہ" کے مطالعہ سے آپ کی فقہی بصیرت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ عالم دین کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحبؒ کو قومی اور بین الاقوامی فورم پر انفرادی حیثیت حاصل تھی، اس کا سبب

*پی، ایچ، ڈی اسکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ وعربی، جامعہ گومل، ڈیرہ اسمٰعیل خان، پاکستان

**چیئرمین، شعبہ علوم اسلامیہ، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

ڈاکٹر صاحبؒ کی فقہی بصیرت اور دینی وعصری علوم پر دسترس تھی۔ دینی علوم میں سے فقہ اسلامی کے شعبہ میں خصوصی دلچسپی تھی۔ فقہ میں آپ کی دسترس کا اعتراف نہ صرف اہل پاکستان کو تھا بلکہ اسلامی دنیا کے نامور علماء بھی آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ کی فقہی بصیرت کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی، ڈائریکٹر فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹیڈیز، نئی دہلی رقمطراز ہیں:

''ڈاکٹر غازی کی بعض بحثوں پر گفتگو کو پڑھتے ہوئے مجھ کو محسوس ہوا کہ گویا قدرت نے سید ابوالاعلیٰ مودودی کا قلم انہیں پکڑا دیا ہے، بالکل وہی سیر حاصل بحث، وہی عقلی ونقلی دلائل اس پر مستزاد غازیؒ صاحب کا وسیع مطالعہ، معتدل انداز فکر اور عصر حاضر سے بھرپور واقفیت، یعنی ان کی ذات میں جدید وقدیم کا امتزاج ہوگیا''(۱)

ڈاکٹر غازی نے فقہ کے موضوع پر بات کرتے ہوئے ہمیشہ دور جدید میں اسلامی فقہ کی تدوین نو پر زور دیا اور عصر حاضر میں اس کی تطبیق کے لیے عملی تجاویز مرتب کی۔

محمد موسیٰ بھٹو کے بقول ''موجودہ دور میں مسلم امت کے مسائل کی نوعیت اسلامی فقہ کی تدوین جدید اور نئے دور میں دعوت اسلامی کے کام کی صحیح حکمت عملی جیسے موضوعات پر ڈاکٹر غازیؒ کی رائے ایسی صائب رائے ہے جس پر بجا طور پر اعتماد کیا جا سکتا ہے''۔(۲)

آپ نے اپنی تعلیم کے دوران ہی تحقیقی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا، مختلف فقہی نوعیت کے مسائل پر غور وحوض کرتے۔

آپ نے فقہی خدمات بطور معلم، عالم دین، خطیب اور بطور جج سرانجام دیں۔ فقہ اسلامی کے شعبہ میں آپ کی خدمات فیصل مسجد میں بطور خطیب کے شروع ہوئیں۔ ڈاکٹر غازی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ فیصل مسجد کے پہلے خطیب مقرر ہوئے۔

فقہ سے ڈاکٹر موصوف کو فطری مناسبت تھی یہ وہ موضوع ہے جس پر وہی کچھ کہنے کا مجاز ہے جو ایک طرف روایت سے اچھی طرح آگاہ ہو اور دوسری طرف اپنے عہد کے مسائل سے بھی واقف ہو، یہ ان کا منفرد اعزاز ہے کہ دین کے حوالے سے پاکستان میں جو اہم تجاویز سامنے آئیں ان میں کسی نہ کسی صورت میں غازی صاحب نے حصہ لیا مثلاً قادیانیوں کے حوالے سے جو آئینی ترمیم کی گئی اس کی تیاری میں آپ مولانا ظفر احمد انصاری کے معاون تھے۔ ضیاء الحق کے دور میں جو حدود قوانین ملک مین رائج ہوئے وہ بھی بڑی حد تک آپ ہی کے تحریر کردہ تھے۔(۳)

ڈاکٹر غازی کی جن تحریرات میں فقہی مسائل پر بحث شامل ہے ان میں سے چند تحقیقی مقالے ہیں جو

کتابچوں کی شکل میں طبع ہوئے، فقہی مضامین مختلف جرائد میں بھی شائع ہوئے، اس کے علاوہ فقہی عنوانات کے تحت محاضرات فقہ، اصول فقہ اور قواعد فقہ جیسی کتب میں بھی چند مسائل ذکر ہوئے ہیں۔، ڈاکٹر غازی کی فقہی خدمات کے ضمن میں راقم آپ کی تقاریر اور تحاریر کا احاطہ کرنے کی کوشش کرے گا۔

تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے علوم اسلامیہ کو نہ صرف متعارف کرایا، بلکہ اوجِ ثریا سے بھی ہمکنار کیا۔ ان علوم کی تعداد کم وبیش پچاس سے زائد ہے۔ لیکن ان میں تفسیر، حدیث اور فقہ کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ یہود ونصاریٰ کو ان کا مقابل پیش کرنے کا چیلنج کیا گیا۔ تمام سامی وغیر سامی مذاہب ان کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں لیکن گزشتہ چند عشروں سے یہ علوم وفنون انحطاط کا شکار ہیں۔ مسلمان قوم پر ایک جمود سا طاری ہے۔ آج اسلام کو بطور مذہب زمانے کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے۔ اس تناظر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ فقہ اسلامی کی ازسرِ نو تدوین کی جائے اور اقوام عالم سے اسلامی فقہ کے اصول وضوابط منوائے جائیں۔ اس عظیم فریضہ کی انجام دہی کے لیے ایسے نایاب گوہروں کی ضرورت ہے جو ایک طرف فقہ اسلامی پر انتہائی مجتہدانہ نظر رکھتے ہوں تو دوسری طرف جدید عصری علوم پر بھی دسترس رکھتے ہوں۔ ناقدانہ نقطہ نظر سے ایک جوہری کے انداز میں تجزیہ کر سکیں کہ کھرا کون ہے اور کھوٹا کون ہے۔ صرف مقلدانہ اور مرعوبانہ طرز عمل در پیش چیلنج سے نبرد آزما ہونے کے لیے کافی نہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ ایسی نابغہ روزگار شخصیت ہیں جن میں مطلوبہ صلاحیتیں موجود تھیں۔ علوم اسلامیہ میں بالعموم اور فقہ اسلامی میں بالخصوص دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ جدید عصری علوم کے بھی ماہر تھے۔ عالم اسلام کے خلاف جو پروپیگنڈے اور شکوک وشبہات پیدا کیے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر غازیؒ ان پر گہری نظر رکھتے تھے۔ احکام شریعت کے جن پہلوؤں کو نشانہ بنایا گیا، ایک طبیب حاذق کی طرح نبض شناسی کرتے ہوئے ان کی تشخیص کی۔ موصوف کے بقول" اسلامی فقہ وہ میدان ہے جس پر زیادہ حملے کیے جاتے ہیں۔ اسلام کے تصوف کی تعلیم پر زیادہ حملے نہیں ہو رہے۔ اسلام کے تصور اخلاق پر زیادہ حملے نہیں ہو رہے۔ اعتراضات کا جو طوفان ہے۔ وہ فقہ اور اصول فقہ کے خلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب نے شاید اس بات کو سمجھ لیا ہے کہ اسلام میں روحانیت، اخلاق اور تزکیہ نفس کا پورا دارومدار فقہ اور اصول فقہ سے وابستگی پر ہے"(۴)

فقہ اسلامی پر ہونے والے اعتراضات دو انواع کے ہیں۔ ایک وہ اعتراضات ہیں جو غیر مسلم مفکرین کے پیدا کردہ ہیں اور دوسری قسم وہ جو بعض مسلمانوں کی طرف سے اٹھائے گئے۔ مسلمانوں کا وہ طبقہ جو مغربی تہذیب وتمدن کا رسیا ہے۔ مغرب کی مصنوعی اور کھوکھلے دعوؤں سے مرعوب ہو کر احساس کمتری کا شکار ہے اور سمجھتا ہے کہ شاید

اسلامی فقہ آج کے جدید مسائل سے نبرد آزما ہونے سے قاصر ہے۔ڈاکٹر غازیؒ نے اپنی فقہی بصیرت کی بناء پر ان اعتراضات کے جوابات قوی دلائل سے ارشاد فرمائے اور عصرِ حاضر کے تہذیبی اور ثقافتی تعامل کے زیرِ اثر جنم لینے والے تمام مسائل کا حل فقہ اسلامی کی تدوین نو میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اصولِ فقہ کے مضامین:

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے اصول فقہ کو پانچ ذیلی مضامین میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ حکم شرعی

۲۔ حکم شرعی کے ماخذ اور مصادر

۳۔ اصول تفسیر قانون

۴۔ مقاصد شریت

۵۔ اجتہاد(۵)

حکمِ شرعی:

حکمِ شرعی کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر غازی نے اس عنوان پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی۔موصوف کے بقول ''حکم شرعی اللہ تعالیٰ کا وہ خطاب ہے جو براہِ راست قرآن مجید میں یا رسول اللہؐ کی زبان مبارک سے سنت کے ذخائر میں ہم تک پہنچا ہو اور جو بندوں کے افعال اور اعمال کی کسی کیفیت یا حیثیت سے متعلق ہو''۔(۶) فقہ اور اصول فقہ کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ شریعت کے احکام کا علم حاصل کر کے اس کے مطابق زندگی گزاری جائے۔شرعی احکام کی تشریح وتوضیح صرف مجتہدین اور فقہائے کرام کا کام ہے۔عوام کو اس سے دور رہنا چاہیے۔

حکمِ شرعی کے مآخذ اور مصادر:

ڈاکٹر غازی نے حکمِ شرعی کے دو بنیادی واولین ماخذ ذکر کیے ہیں۔یعنی قرآن مجید اور سنت نبویؐ۔ان دو کے علاوہ قیاس، اجماع، استحسان بھی حکم شرعی کے مصادر میں ہیں لیکن یہ ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔

قرآن حکیم میں کئی مقامات پر عقل، سوجھ بوجھ اور فہم وفراست کا ذکر کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقل بھی حکم شرعی کا ایک ذیلی مآخذ ہے۔یعنی بعض معاملات میں قرآن حکیم نے عقل کو اہمیت دی ہے۔اسی طرح دوسرے مصادر کے بارے میں قرآن ہمیں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ویتبع غیر سبیل المو منین نو لہ ما تو لیّٰ و نصلہ جھنم (۷)

جو مسلمانوں کے راستے سے ہٹ کر کوئی راستہ اختیار کرے گا اور اس کو جہنم میں پہنچادیں گے۔

قرآن کی اس آیت سے ڈاکٹر غازیؒ نے اجماع کا مصدر شرعی ہونا اخذ کیا ہے یعنی مسلمانوں کی اکثریت جس مسئلے پر متفق ہو اور جو احکام اور اصول ضوابط کا استنباط مجموعی طور پر کیا گیا ہو ان کی پیروی ضروری ہے۔ عقل کو مآخذ شریعت تسلیم کرنے کے بارے میں ڈاکٹر غازی نے مسلمانوں کے تین نقطۂ ہائے نظر کا تقابل کیا ہے۔ اہل علم کا ایک گروہ جو "اشاعرہ" کے نام سے موسوم ہے۔ امام غزالیؒ اور امام رازیؒ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ شرعی احکام کے استنباط میں عقل کا کوئی کردار نہیں ہے۔ دوسرا نقطۂ نظر معتزلہ کا ہے۔ یہ حضرات عقل کو مآخذ شریعت تسلیم کرتے ہیں۔ انکے نزدیک وحی کے ساتھ ساتھ عقل بھی شرعی احکام کے اخذ کرنے میں استعمال ہوسکتی ہے۔ انسان عقل کے ذریعے کسی فعل کے اچھا یا برا ہونے کا فیصلہ کرسکتا ہے۔ اپنے نقطۂ نظر کی تائید کے لیے ان کی دلیل ہے کہ شریعت سے قبل لوگوں کو اچھے برے کی تمیز تھی۔ مثلاً یہ کہ قتل کرنا جرم ہے، چوری ایک قبیح فعل ہے۔ اسی طرح غریب نادار کی مدد کرنا ایک اچھا عمل ہے۔

معتزلہ ان مثالوں سے اپنے مسلک کا قوی ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن جمہور کے نزدیک یہ دلائل کافی نہیں ہیں۔ لہٰذا فقہا کی اکثریت نے اس نقطۂ نظر کو پسند نہیں کیا۔ تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عقل کے ذریعے کسی فعل کی اچھائی یا برائی کا تعین تو کیا جاسکتا ہے لیکن محض اس فیصلہ پر اللہ کے ہاں اجر یقینی نہیں ہے۔ دنیاوی زندگی میں تو یہ ممکن ہے، لیکن آخرت میں جزاء وسزا، انعام اور عتاب کی اساس صرف وحی ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت اسی نقطۂ نظر کی پیروکار ہے۔

تین مختلف نقطۂ ہائے نظر کا تقابلی جائزہ پیش کرنے کے بعد ڈاکٹر غازی رقمطراز ہیں:

''چونکہ عقل کے فیصلہ میں غلطی کا امکان رہتا ہے اس لیے محض عقلی فیصلہ کی بنیاد پر آخرت میں جزا اور سزا نہیں ہوسکتی۔ آخرت میں ثواب اور عتاب صرف شریعت کے منع کرنے یا حکم دینے پر ہوگا۔ لہٰذا حکم شرعی دینے کا اختیار صرف اللہ کو ہے انسانی عقل کو نہیں۔

'' الحا کم و المشر ع المکلف ھو اللہ سبحا نہ و تعا لیٰ

یہ جملہ سب فقہا کے ہاں ملتا ہے:

حکم دینے والا، شریعت دینے والا، احکام شریعت کا مکلّف بنانے والا صرف اللہ ہے اور کوئی نہیں عقل شریعت کی مآخذ نہیں۔ عقل شریعت کی فہم اور تعبیر میں مدد کرسکتی ہے''۔(۸)

شرعی احکام کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر غازی نے ایک لطیف نکتہ اٹھایا اور ایک مستند فقیہ کی حیثیت سے اس پر سیر حاصل بحث کی۔شرعی احکام نوعیت کے لحاظ سے دو قسم کے ہیں۔اوامر اور نہی یعنی بعض افعال کو سرانجام دینے کا حکم دیا گیا اور منکرات سے منع کیا گیا۔جن کاموں کا حکم دیا گیا ان میں انسانوں کی فطری کمزوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تدریج اور عدم حرج کا صول اپنایا گیا۔مثلاً بعض امور فرائض کے زمرے میں آتے ہیں،بعض واجب،اسی طرح مندوب،سنت موکدہ،سنت غیر موکدہ،مباح وغیرہ۔اسی طرح جن امور سے منع کیا گیا اس میں بھی حرام،مکروہ،مکروہ تحریمی،مکروہ تنزیہی کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔اسلامی فقہ کا یہ طریقہ کار عین انسانی فطرت کے مطابق ہے۔جس میں سہولت کا اہتمام کیا گیا۔جبکہ دنیا کے کسی بھی قانون میں یہ تقسیم نہیں پائی جاتی۔دنیا کے قانون میں صرف دو صورتیں ممکن ہوتی ہیں کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہے یا کسی کام سے منع کیا جاتا ہے۔درمیانی راستہ نہیں ہوتا۔یہ ایک غیر فطری اور غیر حقیقی تقسیم ہے۔یہی وجہ ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے یہ قوانین اکثر ناکام اور بے کار نظر آتے ہیں۔

اصول تفسیر قانون:

اصول فقہ کا تیسرا ذیلی عنوان اصول تفسیر قانون ہے۔جسے فقہاء ''دلالات'' کا نام بھی دیتے ہیں۔کسی بھی قانون کی تحریر میں شامل مخصوص الفاظ اور اصطلاحات کی تشریح،قانون کی حدود کار،شرائط،اصول وضوابط کا مطالعہ اصول تفسیر قانون کہلاتا ہے۔ڈاکٹر غازیؒ کے مطابق قرآن مجید اور حدیث نبویؐ کا حقیقی فہم وادراک اس اصول کے بغیر ناممکن ہے بلکہ دیگر قوانین کی تعبیر وتشریح کے لیے بھی ضروری ہے۔اپنے موقف کی تائید کے لیے کچھ ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں۔قرآن مجید میں امر کا صیغہ کئی مقامات پر استعمال ہوا لیکن ضروری نہیں کہ ہر بار اس کے ایک ہی معنی مراد لئے جائیں۔امر کا صیغہ موقع محل کے مطابق مختلف معنی کو سموئے ہوئے ہے۔مثلاً اقیموا اصلوٰۃ: نماز قائم کرو یہ صیغہ امر ہے۔والدین کے ساتھ احسان کرو،نماز جمعہ کے بعد "زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو"۔"جب احرام کھول دو تو شکار کرو"۔یہ بھی صیغہ امر ہے۔ "جہنم کے عذاب کو چکھو اور جہنم میں گھس جاؤ"۔

ان تمام احکام میں صیغہ امر استعمال کیا گیا ہے لیکن کیا ان تمام مقامات پر ایک ہی حکم دیا گیا ہے؟ ڈاکٹر غازیؒ اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے اصول تفسیر قانون سے آشنائی ضروری قرار دیتے ہیں۔موصوف کے نزدیک یہاں امر کا صیغہ کہیں امر وجوب کے لیے،کہیں یہ صیغہ دھمکی کے لیے اور کہیں تہدید کیلیے استعمال ہوتا ہے۔استعمال کی ان مختلف ممکنہ صورتوں کے اصول وقواعد ہیں۔یہی قواعد فقہائے اسلام کے نزدیک دلالات کہلاتے ہیں۔(۹)

مقاصد شریعت:

’’مقاصد شریعت سے مراد وہ بنیادی مقاصد اور اہداف ہیں جو اسلامی شریعت کے جملہ احکام میں با لواسطہ یا بلا واسطہ پیشِ نظر رہتے ہیں۔شریعت کے احکام میں جو مصلحتیں پنہاں ہوتی ہیں اور جو حکمت پیش نظر ہے اس کا مطالعہ مقاصد شریعت کے عنوان کے تحت کیا جاتا ہے(۱۰)۔اسلامی شریعت ایک صراطِ مستقیم ہے۔انسان کی حقیقی کامیابی وکامرانی کا ایسا واضح راستہ ہے جو اسے منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہے۔ ہر نبی ایک نئی شریعت لے کر آتا جس کی پیروی امت کے لیے ناگزیر ہوتی۔نئی شریعت اپنے سے پہلے موجود شرعی احکام کی تنسیخ کر دیتی اور جن امور کو وہ دور جدید کی ضرورت سمجھتی اسے برقرار رکھا جاتا۔ نبی اکرمؐ جو شریعت لے کر آئے وہ ابدی ہے۔قیامت تک آنے والی بنی نوع انسان کی ہر پہلو میں رہنمائی کے لیے کافی ہے، جامع ہے۔ گہرائی اور گیرائی کے عناصر کما حقہ پائے جاتے ہیں۔ شریعت کے احکام میں اسرار وحِکم پائے جاتے ہیں۔انسانی عقل اپنی فطری خواہشات کی بناء پر ہمیشہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کو جاننے کی کوشش کرتی ہے۔ان تمام حکمتوں تک انسانی عقل کی رسائی ہو جائے یہ ضروری نہیں ہے۔ کچھ امور انسانی عقل سے ماوراء ہیں لیکن اللہ کے فرمودات اور شریعت کے احکام کے رموز وحِکم جاننے کی کاوش ہمیشہ اللہ کے مقرب وبرگزیدہ لوگوں کا شیوہ رہا ہے۔

اسلامی شریعت کے مقاصد کے ضمن میں ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے پانچ اہداف کا ذکر کیا ہے:

۱)تحفظ دین ۲)تحفظ جان ۳)تحفظ عقل ۴)تحفظ نسل ۵)تحفظ مال (۱۱)

زندگی کے تمام معاملات خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، معاشرتی ہوں یا معاشی ان سب کا بالواسطہ یا بلا واسطہ تعلق ان پانچ مقاصد سے نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر غازی رقمطراز ہیں:

’’شریعت اسلامیہ کے جملہ احکام کا مقصد بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر انسان، انسانیت، مقام انسانیت اور ممتلکاتِ انسان کی حفاظت ہے ۔ پوری اسلامی شریعت اور فقہ اسلامی کے جملہ ذخائر اس اجمال کی تفصیل سے عبارت ہیں‘‘۔(۱۲)۔

اجتہاد:

اجتہاد کے لفظی معنی ہیں انتہائی کوشش۔

''قرآن وسنت کی روشنی میں کسی نئی صورتحال کا حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی صلاحیت کو پورے طور پر استعمال کرڈالنا، علم اور صلاحیتوں کو اس طرح نچوڑ دینا کہ اس سے آگے صلاحیت کے استعمال کرنے کی کوئی حد باقی نہ رہے اس عمل کا نام اجتہاد ہے''(۱۳)۔ جدید دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ نت نئی ایجادات معرضِ وجود میں آرہی ہیں انسان کی سرگرمیوں کی وسعت کی بناء پر معاشی ومعاشرتی مسائل جنم لے رہے ہیں۔ بنیادی مسائل کا حل قرآن وسنت میں براہ راست موجود ہے لیکن جزوی مسائل جب تک مسلمان دنیا میں آباد ہیں، پیش آتے رہیں گے اوران مسائل کا حل اجتہاد ہے۔ ڈاکٹر غازیؒ کا موقف ہے کہ نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد جاری ہے۔ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ رسول اللہؐ نے دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے اس کی اجازت دی تھی۔ ڈاکٹر غازیؒ کے بقول ''اجتہاد کے ذریعے مسائل کا حل تلاش کرنا ایک طرح سے حضور اکرمؐ کی وصیت بھی ہے اور حضورؐ کی وصیت کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا''(۱۴)۔

مسلکی اختلافات:

ڈاکٹر غازی اتحاد بین المسلمین کے ہمیشہ علمبردار رہے۔ آپ کے نزدیک فروعی اختلافات کی بنیاد پر مسلمانوں کی گروہ بندی امت مسلمہ کے لیے زہر قاتل ہے۔ ان فروعی اختلافات کو بھلا کر مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر غازی کی رائے کے مطابق مسلمانوں کے زوال پذیر ہونے کی اہم وجوہات علمی ارتقاء کا انقطاع اور اندھی تقلید ہے۔ فروعی اور مسلکی اختلافات میں شدت پسندی کا رجحان نہیں ہونا چاہیے۔ نائلہ غازی آپ کا قول نقل کرتی ہیں:

" جن چیزوں کی حرمت قرآن یا حدیث کی نصوص سے ثابت نہیں ان میں لٹھ لے کر پیچھے نہیں پڑ جانا چاہیے بلکہ حکمت سے کام لینا چاہیے"۔(۱۵)

مختلف فقہی مسالک کے پیروکاروں میں نماز کی ادائیگی کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ اس اختلاف کو ڈاکٹر موصوف شریعت کے عین مطابق تصور کرتے ہیں۔ ایک فقہی سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رسول اللہؐ نے مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کے مجمع کے سامنے نمازیں پڑھیں اور مختلف انداز میں

پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ رسول اللہؐ نے نماز میں جس جس طرح سے کیا اور جو جو کیا وہ سب محفوظ رہے۔ کوئی ادا رسول اللہؐ کی ایسی نہیں جو مسلمانوں میں محفوظ نہ رہے اور مسلمانوں کا کوئی طبقہ اختیار نہ کرے''۔

اس مسئلہ کو مزید واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

" کسی نے دیکھا کہ حضورؐ دست مبارک چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں تو انہوں نے بیان کیا کہ حضورؐ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے تھے۔ کبھی ہاتھ اوپر باندھا اور تھکنے کے بعد نیچے باندھ دیا۔ اس میں نہ تو کسی جائز ناجائز کا مسئلہ ہے۔ نہ اس میں کسی مکروہ اور مستحب کا مسئلہ ہے۔ ان میں سے ہر طرز عمل سنت ہے اور ان میں سے ہر طرز عمل اپنی جگہ جائز ہے۔ آمین بلند آواز سے کہنا یا آہستہ، رفع یدین کریں یا نہ کریں، سب صورتیں جائز ہیں۔ سب سنت ہیں اور سب کے سنت ثابت ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں''۔(۱۶) ڈاکٹر غازی اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ فقہی بصیرت و حکمت سے امت کے مابین پائے جانے والے اختلافات کی شدت کو کم کیا جائے تا کہ امت مسلمہ میں اتحاد و یگانگت کا عنصر پروان چڑھے۔

ڈاکٹر غازیؒ کا تصورِ فقہ آفاقی:

حالات واقعات میں تغیر کی بناء پر فقہی مسائل بھی بدل جاتے ہیں، فقہ اسلامی میں ارتقاء کا اصول ہمیشہ کارفرما رہا ہے۔ تغیر وتبدل کے زیر اثر جنم لینے والے جدید مسائل کے حل کے لیے اجماع، قیاس اور اجتہاد کے ذریعے احکام کا استنباط کیا جاتا رہا۔ زمان ومکان میں تغیر انسانی طبائع پر اثر انداز ہوتا ہے۔ عہدِ جدید میں ٹیکنالوجی کی برق رفتار ترقی انسانوں کے مزاج، تہذیب وتمدن اور انسانی تعلقات کو از سرِ نو استوار کر رہی ہے اور فقہ اسلامی کا اصل ہدف انسانی تعلقات ہیں۔ اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ٹیکنالوجی سے فقہ اسلامی کا متاثر ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

ڈاکٹر شہزاد اقبال شام کے بقول:

''زرعی معاشرے میں معاشرتی اکائیاں متحد الوجود تھیں لیکن ٹیکنالوجی کے بے پناہ ہجوم نے ان تمام دائروں کو اتھل پتھل کر کے رکھ دیا ہے۔ ٹیکنالوجی نے صنعت وحرفت کو جنم دیا تو صنعتی دور کی اکائیاں انتشار کے مرحلے سے بھی نکل کر وجود سے عدم کی شاہراہ پر چل پڑی ہیں۔ معاملات کے ضمن میں نظریہ العقد کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکنالوجی اور بدلتے ارتقائی دائروں نے فقہ اسلامی کے موضوعات ہی بدل کر رکھ دیئے ہیں۔ کاروباری تعلقات کے موضوعات محدود پیمانے پر شراکت ومضاربت سے نکل کر کروڑوں کی تعداد میں حصص کا لین

دین کرنے والے لاکھوں افراد تک پھیل گئے'' (۱۷)۔

اسلامی معاشرے میں اس تغیر وتبدل کے اثرات قدرے تاخیر سے اثر انداز ہوئے کیونکہ مسلمان سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں اقوام عالم سے پیچھے تھے جس کی وجہ سے جدید معاشرتی ومعاشی مسائل پیدا نہ ہوئے اور نہ ہی ایسے جید فقہاء موجود تھے جو ان مسائل کا ادراک کرسکیں اس پسِ منظر میں علامہ اقبال وہ واحد شخص تھے جنہوں نے یہ محسوس کیا کہ فقہ اسلامی گزشتہ چند صدیوں سے جمود کا شکار ہے۔ڈاکٹر شہزاد شام، علامہ اقبال کا قول نقل کرتے ہیں:

''میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطہ نگاہ سے زمانہ حال کے اصول وقانون پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا سب سے بڑا خادم ہوگا۔مگر افسوس ہے کہ زمانہ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانے کے میلان طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔ایران میں مجتہدین شیعہ کی تنگ نظری اور قدامت پرستی نے بہاءاللہ کو پیدا کیا۔جو سرے سے احکام قرآنی ہی کا منکر ہے۔ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں۔ میری ناقص رائے میں مذہب اسلام اس وقت گویا زمانہ کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا''۔(۱۸)

فقہ اسلامی کی تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ امام غزالی کا فقہ اسلامی کی تدوین نو میں اہم کردار ہے۔ آپ نے فقہی اختیارات کو مختلف سمتوں میں وسعت دی اور نظریہ "تجزؤالاجتہاد" متعارف کرایا۔فقہ اسلامی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو محسوس کیا اور مطالعہ میں تخصیص کا میلان نظر آنے لگا۔فقہ اسلامی کے ذیلی عنوانات مضاربت، مناکحات، تعزیرات وغیرہ کو مختلف فقہا نے تخصیص کے لیے چن لیا۔

اسلامی فقہ کی تدوین نو کی ضرورت جس تیسرے شخص نے محسوس کی وہ ڈاکٹر محمود احمد غازی ہیں۔جو فقہ اسلامی کے ذخیرہ کا وسیع ودقیق مطالعہ رکھتے تھے۔آپ کا یہ موقف ہے کہ دنیا چونکہ ایک گلوبل ویلیج کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ذرائع آمدورفت اور ذرائع مواصلات نے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب تر کر دیا ہے۔تجارتی لین دین وسعت اختیار کر چکا ہے اور ایسے جدید معاشرتی ومعاشی مسائل کی نشاندہی ہو رہی ہے جن کا حل کسی ایک مسلک کے پاس نہیں ہے جس کے نتیجے میں ایک عالمی فقہ کی ضرورت خود بخود محسوس ہونے لگی ہے۔ڈاکٹر غازی جس دور کی قدآور شخصیت ہیں، وہ سائنس وٹیکنالوجی کا دور ہے۔انسانی زندگی کے ہر پہلو پر صنعت وحرفت کے اثرات نمایاں ہیں۔اس پسِ منظر نے فقہ اسلامی کی مرکزیت کو ختم کر دیا ہے۔دورِ حاضر میں ہر روز طلوع ہونے والا سورج اپنے ساتھ نئے عجائبات اور ایجادات لے کر آتا ہے۔تاریخ اسلامی ہمیں بتاتی ہے کہ انسان ازل سے مسائل کا سا

منا کرتا چلا آ رہا ہے ان مسائل کا حل زمانہ کے اہل عقل اپنے اپنے فہم وفراست کے مطابق تلاش کرتے رہے۔لیکن موجودہ دور جس برق رفتاری سے کروٹ بدل رہا ہے۔وہاں کسی ایک مسئلے کے حل کے لیے ذہنی ارتکاز سے قبل ہی ایک نئی کشمکش کا سامنا ہوتا ہے۔عہد جدید مسائل کی لحاتی نوعیت سے عبارت ہے۔اس تیز رفتار فکری وعملی تعامل نے فقہی موضوعات کو بدل کر رکھ دیا۔مثلاً عائلی زندگی کی مثال لیجئے کہ اگر شوہر حنفی مسلک پر ہے تو بیوی مالکی یا حنبلی فقہ سے تعلق رکھتی ہے۔کاروباری لین دین بھی چونکہ عالمی منڈی میں ہوتا ہے۔تو ممکن ہے تجارت میں حصہ لینے والے مختلف فقہی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں۔

ڈاکٹر غازی اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں:

"اگر کوئی شخص آپ سے وعدہ کرے کہ مثلاً وہ آپ سے آپ کی فیکٹری کی مصنوعات خریدے گا تو کیا اس وعدہ کی کوئی قانونی حیثیت بھی ہے یا صرف اخلاقی حیثیت ہے۔امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اسطرح کا وعدہ قضاء واجب التعمیل نہیں ہے۔اس کے برعکس امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر کسی وعدے کے نتیجہ میں کوئی شخص کسی ذمہ داری کو اپنے اوپر لے لے اور اس ذمہ داری کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے اسکا کوئی نقصان ہو جائے تو ایسے ہر وعدہ کی پابندی لازمی ہے۔عدالتوں کو ایسے معاملات میں مداخلت کا اختیار ہے۔یہ دونوں کی رائے اجتہادی ہیں، نہ قرآن پاک میں کوئی صریح نص ہے نہ حدیث میں ہے۔دونوں نے اپنے اپنے حالات کے مطابق جو سمجھا اس کے مطابق بیان کر دیا"۔(۱۹)

ان حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جدید پیچیدہ مسائل کا حل کسی ایک فقہی مسلک میں رہتے ہوئے ممکن نہیں۔بعض مسائل کے حل کے لیے فقہی مسلک کے دائرے سے نکل کر سوچنا پڑتا ہے۔قرآن پاک سے براہ راست استنباط کرنے کی صورت میں فقہا کی رائے کو نظر انداز کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔اسی نظریہ کے پیش نظر ڈاکٹر غازی نے فقہ آفاقی پر زور دیا۔اس نظریہ کی بڑی وجہ موصوف کے بقول:

"دور جدید میں اسلام کے سیاسی نظام کے بارے میں غور وغوض ہو رہا ہے۔اسلام کی دستوری فکر پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔مختلف مسلم ممالک میں دستوری تصورات پر مباحث ہو رہے ہیں اور ایسی دستاویزات اور تحقیقات سامنے آ رہی ہیں جن کا مقصد اس دور کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلام کے دستوری اصولوں اور سیاسی تصورات کی بنیاد پر ایک نئے دستوری اور سیاسی نظام کی تشکیل ہے۔ان میں سے کسی کام کو حنفی یا شافعی یا حنبلی یا مالکی مسلک کی حدود میں محدود نہیں کیا جا سکتا"۔(۲۰)

فقہ اسلامی کی تدوین نو صرف قانون کے ضمن میں نہیں بلکہ ہر باب اور ہر پہلو میں نمایاں ہے لیکن کام کی نوعیت میں کہیں مسلکی جھلک نظر نہیں آتی بلکہ اس میں ایک مشترکہ تصور اور مشترکہ اقدار کارفرما ہیں ۔موجودہ دور عالمگیریت کا دور ہے انسان ایک دوسرے کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں اور اسی بناء پر مختلف فقہی مسالک کے پیرو کار ایک دوسرے سے باہمی لین دین اور تجارت کرتے ہیں ایسے حالات میں کسی ایک فقہ کے دائرے میں محدود رہنا ممکن نہیں، ڈاکٹر غازی کا خیال ہے کہ ریاستی امور اور بین الاقوامی تجارت سے متعلق موضوعات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل کا حل صرف ایک آفاقی فقہ میں مل سکتا ہے۔

موصوف کے بقول:

"آئندہ دور مختلف مسالک میں محدود رہنے کا دور نہیں ہے بلکہ ان مسالک کو اجتماعی طور پر مسلمانوں کی مشترکہ میراث قرار دینے اور سب کو ساتھ لے کر چلنے کا دور ہے۔آئندہ جو فقہ سامنے آنے والی ہے وہ صرف اور صرف عالم گیر اسلامی فقہ ہوگی"۔ (۲۱)

ڈاکٹر غازی کی تقریر وتحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف ایک ایسی فقہ کا خاکہ پیش کرتے ہیں جس میں فقہائے کرام کے فقہی ذخیرے سے مجموعی طور پر استفادہ کیا جائے اور احکام کا استنباط جدید اسلوب سے کرتے ہوئے موجودہ عصری مسائل کا حل سامنے لایا جائے ۔قرآن وحدیث کو اساسی حیثیت دیتے ہوئے شریعت کے اہداف کا تعین کیا جائے۔

آفاقی فقہ کے تصور کی تائید میں ڈاکٹر موصوف فقہی عقائد "مراعات الخلاف" کا حوالہ دیتے ہیں ۔ مراعات الخلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو مجتہدین کے درمیان ہوتا ہے۔اس نظریہ کے مطابق اگر کسی ایک فقہی مسلک کے پاس کسی مسئلہ کا واضح حل نہ ہو۔ضرورت کے تحت کسی دوسرے فقہی مسلک سے رجوع کیا جائے تو یہ ایک مستحسن اقدام ہوتا ہے ۔مثلاً مفقو دالخبر شوہر کا نکاح تحلیل کرنے کے لیے جو مدت فقہ حنفی میں مقرر ہے وہ بہت طویل ہے لہٰذا اس امر میں فقہ مالکی سے رجوع کیا جا تا ہے۔اسی طرح اسلامی بینکاری نظام بھی عالمی فقہ کا عظیم شاہکار ہے جب بینکاری نظام کو سود کی لعنت سے پاک کرنے کے لیے کام شروع ہوا تو تمام مسالک سے تعلق رکھنے والے فقہائے کرام نے اپنی آراء حکومت پاکستان کو پیش کیں،ان آراء کی روشنی میں اسلامی بینکنگ کے لیے سفارشات مرتب کی گئیں۔اسلام کی تاریخ میں یہ اولین مثال ہے کہ ایک فقہی مسئلہ پر تمام مسالک سے تعلق رکھنے والے علماء نے ایک متفقہ رائے پیش کی اس سلسلہ میں جو بھی پیش رفت ہوئی وہ کسی متعین فقہی مسلک کی حدود سے بالاتر ہے۔

ایسی کئی اور مثالوں سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ کسی ایک فقہی مسلک میں رہتے ہوئے بعض مسائل کا حل محال نظر آتا ہے۔اس تناظر میں ایک عالمی فقہ کا تصور خود بخود ابھر کر سامنے آتا ہے جس کے لیے ڈاکٹر غازی نے ''کاسموپولیٹن فقہ'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

مشکلات، حدود کار: کاسموپولیٹن فقہ سے ملتے جلتے افکار ونظریات چند سابقہ فقہاء نے بھی پیش کیے لیکن بعض سکہ بند علماء کی شدید مزاہمت کے پیش نظر پروان نہ چڑھ سکے۔ڈاکٹر غازیؒ نے اُن مسائل کا تجزیہ کیا جو جدید عصری نوعیت کے ہیں، تیز ترین ذرائع مواصلات، عالمگیریت، مستشرقین اور سیکولر ذہن رکھنے والوں کی شدید تنقید کے نتیجے میں سامنے آئے۔ان حالات نے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ فقہ اسلامی کی تدوینِ نو ایک ناگزیر امر ہے، کاسموپلٹن فقہ اسی سوچ کی آئینہ دار ہے۔

کاسموپولیٹن فقہ کا تصور ابھی ابتدائی مراحل میں ہے اس کے قواعد وضوابط اور حدود کار کا تعین ابھی باقی ہے، مختلف فقہی مسالک کے درمیان پائے جانے والے اختلافات جو معمولی نوعیت کے ہیں ان کا حل اس جامع فقہ میں تو ممکن نظر آتا ہے لیکن جو اختلافات بنیادی عقائد سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے حل کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔

اسلامی بینکاری کا تصور:

ڈاکٹر غازی کی فقہی خدمات میں سے سب سے قابل ذکر کاوش اسلامی بینکاری کا تصور پیش کرنا ہے۔مغربی معاشی نظام نے ہمارے ذہنوں کو اس حد تک متاثر کیا کہ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ شاید سود اور قمار کے بغیر ہمارا معاشی نظام نامکمل اور ادھورا ہے۔ڈاکٹر غازی کے خیال میں پاکستان کی معاشی تباہ کاری کا اصل سبب سودی لین دین ہے کیونکہ سود ایک ایسی لعنت ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف اعلان جنگ ہے۔جدید بینکاری میں جو عناصر اسلامی فقہ سے متعارض ہیں ان کے متبادل تلاش کیے جا سکتے ہیں۔یہ کام اصول تدریج کے تحت کیا جا سکتا ہے۔پاکستانی معیشت کو سلامی اصولوں پر استوار کرنا ڈاکٹر مرحوم کا دیرینہ خواب تھا اور معیشت کی بنیاد چونکہ ہمارا بینکاری نظام ہے لہٰذا پاکستان میں اسلامی بینکاری نظام کو متعارف کرانے کے لیے آپ نے مختلف اسلامی ممالک کے معاشی نظام کا جائزہ لیا اور سفارشات مرتب کیں۔پاکستان کا اسلامی بینکاری نظام ڈاکٹر محمود غازی، مولانا تقی عثمانی، عشرت حسین سابق گورنر سٹیٹ بینک اور دوسرے رفقائے کار کی کاوشوں کا ثمر ہے۔

سود کے خلاف سپریم کورٹ کا تاریخی فیصلہ، پاکستان کے مالیاتی نظام کو سود کی لعنت سے مبراء کرنے کی

ایک کڑی ہے۔سپریم کورٹ کا یہ تاریخ ساز فیصلہ ڈاکٹر غازی کے زیرنگرانی سنایا گیا۔ڈاکٹر موصوف سپریم کورٹ کے اپلیٹ بنچ کے رکن تھے ۔ فیصلے کا بڑا حصہ آپ ہی کا تحریر کردہ ہے ۔اسی طرح برصغیر میں آپ اسلامی بینکنگ کے بانیوں میں سے تھے۔اسلامی بینکنگ کے لیے تکافل کا ابتدائی خاکہ بھی آپ کا تشکیل کردہ ہے یہی وجہ ہے کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے شریعہ ایڈوائزری بورڈ کے چیئر مین کا منصب آپ ہی کے پاس تھا۔(۲۲)

درج بالا مباحث میں اسلام کے مالیاتی نظام کے بارے میں ڈاکٹر غازی کی فقہی بصیرت کی جھلک بڑی نمایاں ہے۔

فقہ اسلامی عصر حاضر میں:

آج کے جدید دور میں عالمِ اسلام کے حالات کا اجمالی مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ مسلمان اپنا الگ تشخص برقرار رکھنے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔اسلامی تہذیب پر غیر اسلامی مغربی افکار ونظریات کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔

اس پسِ منظر میں ڈاکٹر غازی نے فقہ اسلامی کی تدوین نو کی ضرورت واہمیت پر زور دیا ہے۔آپ کے خیال میں اس نئی فہم وفراست کے ذریعے اسلامی تہذیب وتمدن کی تشکیل ممکن ہے اور یہ فہم ائمہ مجتہدین کے فہم کا تسلسل واحیاء ہوگا۔

بیسوی صدی میں فقہ اسلامی کے از سرنو مطالعہ کی ضرورت سب سے پہلے علامہ اقبال نے محسوس کی۔علامہ مرحوم کا نظریہ تھا کہ احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کیا جائے۔علامہ اقبال جس غیر معمولی بصیرت کے حامل تھے اس کے پیشِ نظر یہ کام انہی کا کرنے والا تھا۔چنانچہ آپ نے اس کام کو انجام دینے کا بیڑہ اٹھایا۔اس عظیم مشن کی تکمیل کے لیے علامہ سید انور شاہ کشمیری، سید سلیمان ندوی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی خدمات حاصل کیں ۔ لیکن اسی دوران ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال کا وقت موعود آپہنچا اور یہ مشن ادھورا رہ گیا۔لیکن اس کام کی اہمیت ضرور اجاگر ہوئی۔

اس نظریہ کو ڈاکٹر غازی نے اپنی زندگی کا حصہ بنایا اور فقہ اسلامی میں نئی جہات کا تعارف کرایا۔بیسویں صدی میں عالم اسلام اور غیر اسلامی مغربی طاقتوں میں ایک ٹکراؤ کی فضاء برقرار رہی۔مغربی طاقتوں کی اسلامی ریاستوں پر یلغار وسیع تر ہوتی گئی۔عالمِ اسلام روبہ زوال رہا۔ان دوفریقوں کے مابین لین دین، جنگ وصلح غرضیکہ تمام معاملات برابری کی سطح پر نہ تھے۔ان حالات وواقعات نے ایسے مسائل کو جنم دیا جن کا حل فقہائے اسلام کے

پاس نہ تھا اس کی وجہ فقہ اسلامی کی کمزوری نہ تھی بلکہ حقیقت یہ تھی کہ فقہ کے رویہ میں مسلمانوں کا جمود اور ٹھہراؤ ان مسائل کے حل میں بڑی رکاوٹ تھی ۔ ڈاکٹر غازی نے ان جدید عصری مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کی ضرورت و اہمیت پر زور دیا۔ ''فقہ آفاقی'' کا تصور بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ۔ ڈاکٹر غازی نے اسلامی قانون کے بنیادی تصورات کے نئے اسلوب میں پیش کرنے کا خاکہ بنایا۔ جس کے تحت ان تصورات پر مونوگرام تیار کیے جانے تھے۔ اسلامی قانون کے تصورات کی ایک جامع فہرست تیار کی گئی ۔ ہر عنوان کے خاکے تیار ہوئے ۔ مختلف کتب کے تحقیقی مطالعے سے مواد جمع کیا گیا ۔ مسودات کے ذریعے ایسی کتب کی تیاری شروع ہوئی جن میں اسلامی فقہ کے ان تصورات کو جداگانہ انداز میں پیش کیا گیا لیکن یہ کام ابھی تکمیل کے مراحل میں تھا کہ ڈاکٹر غازی نے رخت سفر باندھ لیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مشن کو مکمل کیا جائے کیونکہ ڈاکٹر موصوف کا نظریہ تھا کہ جب تک اسلامی مما لک میں فقہ اسلامی کو برتر قانون تسلیم نہ کیا جائے اور اس پر عملدرآمد نہ ہوگا، جدید مسائل سے نبرد آزما ہونا ناممکن ہے۔

ڈاکٹر غازیؒ اور دیگر مذہبی اسکالرز:

ڈاکٹر غازی کے افکار ونظریات کا مطالعہ دیگر مذہبی اسکالرز کے تناظر کیا جائے تو آپ کے چند امتیازی خصائص کا علم ہوتا ہے، ڈاکٹر غازی نے فقہ اسلامی کے موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہوئے اقوامِ عالم کے آئین و دستور کا فقہ اسلامی سے تقابلی جائزہ پیش کیا اور یہ بات واضح کی کہ فقہ اسلامی اپنی وسعتِ نظری اور جامعیت کی بنا پر تمام قوانین سے بالا و برتر ہے آپ نے فقہ اسلامی کی تدوین نو پر زور دیا، ہمہ گیر فقہ کا تصور فقہ اسلامی کے ذیل میں قابلِ قدر اضافہ ہے ۔ ایک عالم گیر فقہ کی ضرورت واہمیت علامہ اقبال اور مولانا مودودی نے بھی اشارۃً واضح کی تھی لیکن اس پر کچھ پیش رفت نہ ہوسکی۔

ڈاکٹر غازیؒ دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید عصری علوم پر بھرپور دسترس رکھتے تھے جبکہ مذہبی اسکالرز میں عموماً یہ رجحان نہیں پایا جاتا اسی طرح شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی بھی ایسی ہی جامع شخصیت کے مالک ہیں ۔ اسلامی بینکاری کے موضوع پر ڈاکٹر غازی اور تقی عثمانی کی خدمات قابلِ ذکر ہیں ۔ مولانا تقی عثمانی نے عصرِ حاضر میں اسلامی بینکاری کا عملی خاکہ پیش کیا تو ڈاکٹر غازیؒ نے اسٹیٹ بنک کے شریعہ ایڈوائزری بورڈ کے ممبر کے طور پر خدمات انجام دیتے ہوئے سودی لین دین کی متبادل صورتیں متعارف کرائیں۔

اسلامی بینکاری کے علاوہ جدید معاشی مسائل پر ڈاکٹر غازی کا نقطہ نظر دیگر اسکالرز سے ملتا جلتا ہے مثلاً موجودہ دور میں رائج انشورنس، بیمہ پالیسی کے بارے میں مفتی محمد یوسف لدھیانوی کی رائے ہے کہ یہ سودی لین

دین ہے ان سے کسی قسم کی وابستگی یا منافع کا حصول قطعاً حرام اور ناجائز ہے(۲۳)،رائج الوقت بیمہ پالیسی کے بارے میں ایسے خیالات کا ذکر ڈاکٹر غازی نے محاضراتِ فقہ میں بھی کیا ہے''روایتی انشورنس کی بیشتر شکلیں ناجائز ہیں اور کوآپریٹیو انشورنس کی بیشتر شکلیں جائز ہیں''۔(۲۴)

مولانا زاھد الراشدی ڈاکٹر غازی کے علمی مقام و مرتبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میری نظر میں برصغیر میں دو ایسی شخصیات ہیں جو مغرب کو آج کے دور کی زبان میں حجۃ اللہ البالغہ پڑھا سکتے ہیں اور امام شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ سمجھا سکتے ہیں،ان میں اول شخصیت مولانا مفتی تقی عثمانی اور دوسری ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ ہیں''۔(۲۵)

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ اپنے فکر و نظریات میں حافظ ابن تیمیہؒ،مولانا مودودیؒ،مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ اقبالؒ سے متاثر نظر آتے ہیں۔

حاصلِ کلام: درج بالا سطور میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی فقہ ڈاکٹر موصوف کی خصوصی دلچسپی کا مضمون ہے۔آپ نے اپنی تحریر میں یہ ثابت کیا کہ تمام جدید عصری معاشی و معاشرتی،قومی و بین الاقوامی مسائل کا حل اسلامی فقہ میں مضمر ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ فقہ اسلامی کا نیا فہم و ادراک پیدا کیا جائے۔اسلامی فقہ پر ہونے والے اعتراضات کے مدلل جوابات،اسلامی بینکاری کا تصور اور اسلامی فقہ کو ایک برتر قانون کی صورت میں پیش کرنا آپ کے اہم کارنامے ہیں۔مسلکی اختلافات کے سلسلے میں آپ نے اعتدال پسندی کا درس دیا،جدید مسائل کے حل کیلئے کاسموپولٹن فقہ کا تصور اسی سوچ کی عکاسی کرتا ہے ۔یہ تصور اس امر کا متقاضی ہے کہ مذہبی اسکالرز اس موضوع پر مزید تحقیق کر کے اس کے پہلوؤں کو اجاگر کریں۔اس کیلئے ضروری ہے کہ تمام مسالک سے تعلق رکھنے والے اہلِ دانش ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں ، بحث و مباحثہ اور تحقیق و جستجو سے کاسموپولٹن کے تصور کو عملی جامعہ پہنائیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ششماہی معارف اسلامی،جنوری تا جون ۲۰۱۱ء،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد،ص ۱۴۳

۲۔ محمد موسیٰ،بھٹو،عہد حاضر کی شخصیات میری نظر میں،سندھ نیشنل اکیڈمی،حیدرآباد،۲۰۰۶ء،ص ۳۸۶

۴۔ ماہنامہ ناوَانٹرنیشنل،مئی ۲۰۱۰ء،کراچی،ص ۱۱

۵۔ غازی،محمود احمد،ڈاکٹر۔ محاضرات فقہ۔الفیصل ناشران،لاہور،۲۰۰۵ء ص ۷۹

۶۔ محاضرات فقہ،ص۸۳

۷۔ القرآن:(۴:۱۱۵)

۸۔ محاضرات فقہ،ص ۸۵

۹۔ محاضرات فقہ،ص ۸۱

۱۰۔ محاضرات فقہ،ص ۲۹۵

۱۱۔ محاضرات فقہ،ص ۳۱۰

۱۲۔ ماہنامہ فکر ونظر،اپریل۱۹۸۴ء۔ادارہ تحقیقات اسلامی،اسلامی یونیورسٹی،اسلام آباد، ص ۳۲

۱۳۔ محاضرات فقہ،ص ۳۳۲

۱۴۔ محاضرات فقہ،ص۳۳۹

۱۵۔ ششماہی معارف اسلامی،جنوری تا جون۲۰۱۱ء،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد،ص۲۰

۱۶۔ محاضرات فقہ،ص۲۱۰

۱۷۔ ششماہی معارف اسلامی،جنوری تا جون۲۰۱۱ء،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد،ص۱۵۴

۱۸۔ ششماہی معارف اسلامی،جنوری تا جون۲۰۱۱ء،ص ۱۵۵

۱۹۔ محاضرات فقہ،ص ۵۳۵

۲۰۔ محاضرات فقہ،ص۴۷۷

۲۱۔ غازی،محمود احمد،ڈاکٹر،تقنین شریعت،ادارہ تحقیقاتِ اسلامی،اسلام آباد، ص۴۶

۲۲۔ ماہنامہ الفرقان۔جنوری۲۰۱۱ء۔لکھنو،ص ۴۹

۲۳۔ لدھیانوی،محمد یوسف،مولانا۔آپ کے مسائل کا فقہی حل(ج۱تا۱۰)،الطاف اینڈ سنز،کراچی،۲۰۰۲ء،ص ۳۸۱

۲۴۔ محاضرات فقہ،ص ۴۶۹

۲۵۔ ماہنامہ الشریعہ،جنوری فروری ۲۰۱۱ء۔الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ،ص ۱۲۳

ڈاکٹر محمود احمد غازی......مقاصد شریعہ کے شارح و ترجمان

* محمود الحسن عارف

Abstract

Dr. Mahmood Ahmad Gahzi (1950-2010) was a prominent scholar, researcher and distinguished teacher. He worked on different posts in the International Islamic University Islamabad. He wrote more than twenty four books and more than 100 articles on different topics of Islam, which has been published in different Journals. Dr. Ghazi, had many auspects of his scholarship. He was best Seerat Writer, Muhaddith and Jurist. The article comprises upon some details of the life and works of Dr. Ghazi, especially in the field of Jurisprudence of Islam.

مجھے یہ تو یاد نہیں کہ ڈاکٹر محمود احمد غازی سے میرا ابتدائی تعارف کب ہوا۔ البتہ یہ بات اچھی طرح یاد ہے کہ ان سے ملاقات سے قبل ان کے نام اور ان کی شہرت..... میرے کانوں تک پہنچ چکی تھی اور ان کے متعلق میرے دل میں ان سے ملاقات کا اشتیاق پایا جاتا تھا۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی سے میری پہلی ملاقات 27 تا 29 اکتوبر 1997ء کو ہونے والے ''عالمی رابطہ ادب اسلامی'' کے سیمینار ''حرمین شریفین کے سفر نامے'' کے دوران میں اس وقت ہوئی جب ڈاکٹر غازی بین الاقوامی یونیورسٹی کے نائب صدر تھے اور دیگر حضرات لاہور میں رابطہ ادب اسلامی کے مہمان بنے اور انہوں نے اس حوالے سے اپنے مقالات پیش کیے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اس سیمینار میں ایک نشست کی صدارت بھی فرمائی اور علامہ اقبال کے روحانی سفر نامہ حرم ارمغان حجاز کے حوالے سے اپنا مقالہ ''ارمغان حجاز، ایک منفرد سفر نامہ حرمین'' بھی پیش کیا۔ جو بعد ازاں ''قافلہ ادب اسلامی کے پہلے شمارے'' میں نمایاں طور پر شائع ہوا اور بے حد پسند کیا گیا۔(1)

اس سفر کے دوران مجھے ڈاکٹر غازی صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے انہیں بے حد

---

* چیئرمین / پروفیسر شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، علامہ اقبال کیمپس لاہور۔

مخلص، سادہ اور زیرک انسان پایا وہ بے حد ذہین اور محنتی شخص تھے۔

بعدازاں ہمارے یہ تعلقات روز افزاں رہے اور اگر درمیان میں ''غرض'' اور ''مطلب'' کا جذبہ نہ ہوتو عام طور پر تعلقات میں استحکام پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ بحمداللہ ہمارے درمیان بھی ''غرض اور مطلب'' کا جذبہ کارفرما نہیں تھا۔اسی لئے ہمارے یہ تعلقات ان کی زندگی کے آخری ایام تک برقرار رہے۔

1۔ڈاکٹر غازی کی ابتدائی زندگی:

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے 18 ستمبر 1950ء کو پاکستان کے ہائی کمیشن واقع نئی دہلی میں آنکھیں کھولیں۔ خاندانی سلسلہ حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔ان کے والد محترم حافظ محمد احمد فاروقی 1954 میں بھارت سے نکل مکانی کر کے پاکستان آئے تو وہ بھی ان کے ہمراہ چلے آئے اور آکر کراچی میں آباد ہو گئے۔ چونکہ ان کا خاندانی پس منظر مذہبی اور دینی تھا۔ان کے خاندان میں حفظ قرآن کی روایت صدیوں پرانی ہے۔انہوں نے یہ سعادت مولانا احتشام الحق کے مدرسہ سے حاصل کی۔ بعدازاں ابتدائی تعلیم کے لئے کراچی کے کے معروف دینی مدرسہ بنوری ٹاؤن میں جو اس زمانے میں ''نیوٹاون'' کہلاتا تھا داخل کرادیے گئے۔ یہ غالبًا ساٹھ کی دہائی کے ابتدائی سالوں کا واقعہ ہے لیکن ابھی ان کی تعلیم مکمل نہ ہوئی تھی کہ ان کے والد محترم کو بسلسلہ روزگار کراچی سے اسلام آباد آنا پڑ گیا۔ چنانچہ یہاں پہلے ایک چھوٹے سے مدرسہ میں جسے قاری محمد امین چلاتے تھے اور بعدازاں راولپنڈی کے مشہور مدرسہ ''تعلیم القرآن'' راجہ بازار میں داخل کرادیا گیا۔ جو اس زمانے میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب کی قیادت میں مصروف عمل تھا۔ یہیں سے انہوں نے 1966ء میں درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔ انہوں نے 1972ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے عربی کا امتحان پاس کیا اور 1988ء میں اسی جامعہ سے پی ایچ ڈی کیا۔(2)

تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے اپنے کیریئر کی ابتداء 1973ء ادارہ تحقیقات اسلامیہ، اسلام آباد میں ''فیلو/ لیکچرار'' کی حیثیت سے کی۔مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں فطری طور پر جن خوبیوں سے نوازا تھا انہوں نے نے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا اور یوں وہ جلد ہی دھیرے دھیرے اور پروقار انداز میں آگے بڑھنا شروع ہوئے۔ وہ 1979ء میں اسسٹنٹ پروفیسر، 1981 میں ایسوسی ایٹ پروفیسر، 1987 میں شریعۃ میں پروفیسر، 1987ء میں فیصل مسجد کے خطیب و ڈائریکٹر اسلامک سنٹر، 1988 میں ڈائریکٹر دعوۃ اکیڈمی، 1991 میں ڈائریکٹر جنرل شریعۃ اکیڈمی، 1994 میں بین الاقوامی اسلامیہ یونیورسٹی کے نائب صدر اور 2004 میں صدر ہوئے۔(3)

اور 22 جون 1988ء کو ان کی امامت میں جمعہ کے دن اس عالمی مسجد کا افتتاح ہوا اور بین الاقوامی طور پر ان کو پذیرائی اس وقت ملی جب انہوں نے مرحوم جنرل ضیاء الحق کی حادثاتی موت (17 اگست 1988ء) کے بعد ان کی نماز جنازہ کی امامت کروائی۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ، جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں آئینی کمیٹی کے رکن بھی رہے۔ (1983-1985ء) جس نے ''تحفظ ناموس رسالت'' کا قانون بنانے کی سفارش کی تھی جو اب تک نام نہاد حقوق انسانی کی بین الاقوامی تنظیموں کے لئے بڑی اذیت اور تکلیف کا باعث ہے۔ حالانکہ اس قانون میں تمام انبیاء کی توہین کرنے کو جرم قرار دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے ترقی کا سفر جاری رکھا۔ انہیں بے نظیر بھٹو کے پہلے دورِ حکومت میں فیڈرل شریعت کورٹ کا رکن بنایا گیا اور نواز شریف کے دورِ حکومت میں ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کا رکن بنا دیا گیا (1990-1993ء، 1997-2000ء) اور جنرل پرویز مشرف نے اپنے دورِ حکومت میں ''وفاقی وزیر برائے امور مذہبیہ و اقلیات'' (2000ء تا 2002ء) بنا دیا۔ مگر وہ زیادہ عرصے ان کے ساتھ قدم ملا کر نہیں چل سکے اس لئے وہ جلد اس سے علیحدہ ہو گئے۔ (4)

وہ ڈاکٹر حسن شافعی کے بعد کچھ عرصہ ''بین الاقوامی اسلامیہ یونیورسٹی'' کے صدر (وائس چانسلر) بھی رہے۔ لیکن جلد ہی 2006ء میں سازشی ذہنوں نے انہیں ٹکنے نہ دیا اور پھر بالآخر ان سے سارے اہم عہدے واپس لے لیے گئے۔ لیکن میدان علم و عمل کا یہ سپاہی ''بے تیغ'' بھی لڑتا رہا اور انہوں نے تمام عہدوں سے الگ رہ کر بھی اپنی علمی و تحقیقی کامیابیوں کا سفر جاری رکھا۔

2۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے خصوصی میدان ہائے علمی:

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ بنیادی طور پر دینی مدارس کے فارغ التحصیل تھے۔ جدید جامعات سے انہوں نے بہت کم استفادہ کیا۔ البتہ چونکہ ان کا مطالعہ بے حد وسیع تھا اور اردو کے ساتھ ساتھ عربی، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں پر بھی دسترس بلکہ عبور رکھتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے اپنی ذاتی لیاقت اور محنت سے وہ مقام حاصل کیا جو ان کے معاصرین میں سے کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکا اور اگر زندگی ان سے وفا کرتی تو شاید وہ بہت سے اکابرین سے بھی سبقت لے جاتے۔

جہاں تک ان کے خصوصی میدان ہائے علمی و ادبی کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بارے میں بڑی

وسعت اور بڑا تنوع عطا کیا تھا۔ بیک وقت علوم اسلامیہ کے چاروں شعبوں یعنی قرآنیات، حدیث، سیرت اور فقہ پر عبور ہی نہیں بلکہ تبحر رکھتے تھے۔ جس کی گواہی ان موضوعات پر ان کے خطبات یا محاضرات بخوبی دینے کے لئے موجود ہیں۔(5)

لیکن چونکہ ہمارا موضوع مقاصد شریعۃ میں ان کی مہارت اور تبحر ہے جس کا تعلق اور اصول فقہ میں ان کی مہارت و وسعت علمی ہے۔اس لئے ہم خود کو انہی علوم تک محدود رکھیں گے۔

جیسا کہ ہم ازیں قبل یہ ذکر کر آئے ہیں کہ ڈاکٹر غازیؒ نے علوم اسلامیہ کی تحصیل جدید جامعات کے بجائے قدیم جامعات سے حاصل کی تھی۔ جہاں فقہ اور اصول فقہ کا سرسری مطالعہ کرانے کے بجائے یہ علوم با قاعدہ طور پر پڑھائے جاتے ہیں۔

دینی مدارس میں ملا نظام الدین السہالوی (1121ھ /1748ء) کا مرتب کردہ جو نصاب تعلیم رائج ہے۔اس میں فقہ اور اصول فقہ پر جو کتب شامل کی گئی ہیں ان میں فقہ اور اصول فقہ کا مطالعہ روایتی انداز میں کرنے کے بجائے قدرے منطقی اور فلسفیانہ انداز میں کروایا گیا ہے۔مثال کے طور پر اصول فقہ پر اصول الشاشی اور توضیح تلویح جیسی کتب رکھی گئی ہیں جن میں اصول فقہ کا مطالعہ اسی نہج میں کیا گیا ہے۔اسی طرح فقہ پر مختصر القدوری، کنز الدقائق، شرح وقایہ اور آخر میں ''ہدایہ اولین'' جیسی کتب پڑھائی جاتی ہیں یہ تمام کتابیں پڑھنے والے کے دل و دماغ کو فلسفہ و حکمت کی روشنی عطا کرتی ہیں اور اس میں موجود ''قیاس اور اجتہاد'' کی صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہیں۔ بشرطیکہ طالب علموں کو مناسب اور موزوں رہنمائی مل سکے۔(6)

ڈاکٹر غازیؒ نے نہ جانے کن اساتذہ سے یہ کتابیں پڑھی تھیں۔تاہم یہ بات یقینی ہے کہ ان کتابوں نے ان کے دل و دماغ پر جو اثر کیا تھا وہ عام طور پر بہت ہی کم دیکھنے میں آتا ہے اور ان کتابوں میں دینی احکام کی جو حکمتیں یا جو تعلیلات بیان کی گئی ہیں۔انہوں نے یقیناً ڈاکٹر غازیؒ کے ذہنی دریچوں کے کھولنے میں اپنی پوری تاثیر دکھائی تھی جس کی بناء سنہ پر ڈاکٹر صاحب کا ذہنی کینوس شروع سے ہی وسیع تھا اور پھر اس کینوس کو انہوں نے ذاتی مطالعے کے ذریعے مزید روشنی بخشی اور قرآن کے مطالعے کے ذریعے انہوں نے اس میں مزید وسعت پیدا کر لی۔

مقاصد شریعت پر انہوں نے جو گفتگو کی ہے وہ یوں تو ان کی تمام کتابوں میں ہی نظر آتی ہے۔لیکن اپنی گفتگو کو محدود رکھنے کے لئے ہم ان کی تین بنیادی کتب پر اپنی توجہ کو مرکوز رکھیں گے جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ ادب القاضی (مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، 1983ء)

2۔ محاضرات فقہ (الفیصل، لاہور 2005ء)

3۔ عصر حاضر اور شریعت اسلامی (اسلام آباد، 2009ء) (7)

اول الذکر یعنی ''ادب القاضی'' کی ترتیب وتدوین جنرل محمد ضیاء الحق کے دور حکومت میں اس وقت ہوئی جب ان کی طرف سے ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جا رہا تھا یا کم از کم سرکاری سطح پر ایسا ظاہر کیا جا رہا تھا اور اس مقصد کے لئے یہ بھی دعویٰ کیا جا رہا تھا کہ حکومت جلد ہی عدالتی نظام کو تبدیل کر دے گی۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے اسلام آباد اور لاہور میں متعدد تعلیمی اداروں کے تحت ''قاضیوں کے تربیتی کورسز'' کرائے جا رہے تھے اور زیر نظر کتاب اسی سلسلے میں تدوین کی گئی اور جیسا کہ اس کے ابتدائیہ سے محسوس ہوتا ہے۔ صدر ضیاء الحق نے اس مقصد کے لئے ادارے کو خصوصی ہدف دیا تھا۔ (8۔الف)

یہ پورے کا پورا منصوبہ ڈاکٹر غازیؒ صاحب نے تیار کیا اور اس کے چھٹے باب (ثبوت اور گواہی) (8۔ب) کے سوا پوری کتاب انہی کی مرتب کردہ ہے۔ چنانچہ وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''یہ کتاب ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے شروع کردہ سلسلہ ''تراجم مصادر قانون اسلامی'' کی تیسری کڑی ہے۔ مرتب نے پوری پوری کوشش کی ہے کہ انداز بیان حتی الامکان سادہ اور زبان قابل فہم رہے عنوانات کی ترتیب وانتخاب میں قانون دان اصحاب کی ضروریات کا خیال رکھا گیا ہے۔ کتاب کا خاکہ مرتب کرتے وقت ضابطہ دیوانی اور ضابطہ فوجداری کو سامنے رکھا گیا تھا۔ تاکہ وہ تمام اہم مسائل جو قانون دان اصحاب کے ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں اس کتاب میں زیر بحث آجائیں۔'' (9)

اس کتاب کی ترتیب وتدوین پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے مزید لکھا ہے:

''ابتدائی تین ابواب میں موضوع سے متعلق آیات قرآنی، احادیث نبوی اور آثار صحابہ وتابعین کو مناسب ترتیب سے یکجا کر دیا گیا ہے۔ آیات قرآنی کا ترجمہ اگرچہ اکثر وبیشتر مرتب نے خود کیا ہے۔ لیکن ترجمہ کرنے میں شاہ عبدالقادر، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم قرآن سے استفادہ کیا ہے۔ احادیث نبوی اور آثار صحابہ وتابعین کا ترجمہ مرتب کا اپنا کیا ہوا ہے۔ جہاں جہاں ضروری معلوم ہوا وہاں مرتب نے آیات وآثار کے ترجمہ کے بعد تشریحی نوٹس بھی دے دیئے ہیں۔ احادیث وآثار کے بارے میں کوشش کی گئی ہے کہ تمام متداول اور مستند کتب حدیث میں بکھرے ہوئے مواد کو یکجا کر دیا جائے۔ مرتب کو امید ہے کہ اس کی یہ کوشش کامیاب رہی ہوگی اور نظام قضاء، ثبوت اور گواہی اور دعوی وغیرہ کی بابت احادیث نبوی اور آثار صحابہ کا اتنا ذخیرہ اس

مجموعہ میں آ گیا ہوگا جو کہیں اور شاید یکجا نہیں ملے گا۔(10)

کتاب کے بقیہ ابواب کی اہمیت اور خصوصیات کو اجاگر کرتے ہوئے ڈاکٹر غازیؒ لکھتے ہیں:

باب چہارم چند اہم عدالتی دستاویزات پر مشتمل ہے جو دور فاروقی سے تعلق رکھتی ہیں ان میں پہلی دستاویز حضرت ابوموسیٰ اشعری کے نام حضرت عمر فاروقؓ کا وہ مشہور و معروف خط ہے جس میں انہوں نے علم ادب القاضی کا گویا عطر کھینچ کر رکھ دیا ہے کوشش کی گئی ہے کہ تمام اہم اختلاف روایت کو سامنے رکھ کر خط کے متن کو مکمل کر لیا جائے۔ خط کے ترجمہ کے بعد حافظ ابن قیم کی شرح (مندرجہ اعلام الموقعین) کی تلخیص بھی دے دی گئی ہے۔

پانچواں باب جو نظام قضاء پر مشتمل ہے مذاہب اربعہ کی اہم اور بنیادی کتب سے ماخوذ ہے۔ عام طور پر یہ کوشش کی گئی ہے کہ جہاں ائمہ اربعہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے یا مختلف مذاہب کی کتابوں میں دی گئی تفصیلات میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ وہاں صرف حنفی نقطہ نظر بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے۔ اس کے باوجود کہیں کہیں اس قاعدہ کی پابندی نہ کر سکنے کی وجہ سے بعض مباحث میں تکرار پیدا ہوگئی ہے۔ بعض عنوانات ایسے تھے کہ ان کے بارے میں تلاش کے باوجود کسی ایک مسلک کی کتاب میں ہی قابل ذکر مواد دستیاب ہو سکا۔ ایسے مقامات پر چاروں مسالک کا نقطہ نظر بیان نہیں کیا جا سکا اور صرف اسی ایک مسلک کی رائے بیان کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ جس میں مسئلہ زیر بحث کا جواب مل گیا۔ لیکن اس کا یہ مفہوم نہ لیا جائے کہ دوسرے مسالک نے اس مسئلہ سے بحث کی ہی نہیں اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ دوسرے مسالک کی وہ کتب جو اس وقت مرتب کے سامنے تھیں ان میں اس مسئلہ کا جواب نہیں ملا۔

چھٹا باب ثبوت اور گواہی (قانون شہادت) سے متعلق ہے۔ اس کی تقسیم مباحث تو اگرچہ مرتب نے ہی کی تھی لیکن ترجمہ کا قریب قریب سارا کام فاضل رفیق جناب عبدالرحیم اشرف بلوچ نے کیا ہے۔ جو عربی سے اردو ترجمہ کا اچھا ذوق اور سلیقہ رکھتے ہیں۔ اس باب میں دیئے گئے مواد کے ترجمہ کے تو بلوچ صاحب خود ذمہ دار ہیں۔ لیکن ترتیب اور انتخاب مواد کی ذمہ داری مرتب کی ہے۔

ساتواں باب دعویٰ، سماعت مقدمہ اور فیصلہ کے بارے میں ہے۔ یہ باب دوسرے ابواب کی بہ نسبت مختصر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر حنفی نقطہ نظر ہی کو اساس بنایا گیا ہے۔ اس لئے کہ دعویٰ وغیرہ کے مباحث اکثر و بیشتر محض اجتہادی ہیں اور ان کی بابت فقہائے کرام نے عرف و عادت کو سامنے رکھ کر ہی اپنی آراء قائم کی ہیں۔ پھر اس امور میں اختلاف بھی زیادہ نہیں۔ اس لئے دوسرے نقطہ ہائے نظر کو پوری تفصیل سے دینے کے معنی

یہ ہوتے کہ کتاب کی ضخامت میں مزید سو صفحے کا اضافہ ہو جائے۔

آٹھواں اور آخری باب نیم عدالتی اداروں کے بارے میں ہے۔ ان اداروں میں ادارۂ افتاء، ادارۂ وکالت، ادارۂ احتساب، ولایت مظالم اور ادارۂ تحکیم شامل ہیں۔ اس باب کے آخر میں مرتب کے قلم سے نکلا ہوا ایک مقالہ اسلام کا نظام احتساب کے موضوع پر ضمیمہ کے طور پر لگا دیا گیا ہے۔(11)

اس کتاب کا انداز اگر چہ عام فقہی اور قانونی کتابوں جیسا ہے اور ڈاکٹر غازیؒ صاحب کا یہ ابتدائی دور ہے۔ تاہم اس میں بھی انہوں نے جابجا اسلامی احکام کی حکمتوں اور ان کی مصالح کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جیسا کہ اوپر دیئے گئے اقتباسات سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔

احکام شریعۃ پر ان کی دوسری اہم کتاب ''محاضرات فقہ'' ہے۔ یہ کتاب اس زمانے کی یادگار ہے جب ڈاکٹر صاحب بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے صدر (وائس چانسلر) تھے اور دوسری طرف وہ علمی اور فکری طور پر اس سطح کو چھو رہے تھے جو ان کی زندگی میں ان کے فکر وعلم کی آخری یا بلند ترین سطح تھی اور اس میں انہوں نے نہایت آسان اور عام فہم انداز میں فقہ اور اصول فقہ سے متعلق اہم ترین مباحث کو علمی طور پر بیان کر دیا ہے۔ جس میں ہمیں ان علوم کے شاندار ماضی کے ساتھ ساتھ روشن وتاباں مستقبل کا خاکہ بھی دکھائی دیتا ہے۔

یہ خطبات یا لیکچرز بنیادی طور پر ان خواتین اساتذہ (مدرسات) کو دیئے گئے جو اسلام آباد اور راولپنڈی میں درس قرآن کے حلقوں سے وابستہ تھیں۔ انہوں نے یہ خطبات بھی مختصر نویسی اور اشاروں کو سامنے رکھ کر زبانی طور پر دیئے ان کا آغاز 27 ستمبر 2004ء سے اور درمیان سے 13 اکتوبر 2004ء کا اتوار کا دن نکال کر 19 اکتوبر 2004ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔(12) یہ کل بارہ خطبات ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ فقہ اسلامی، علوم اسلامیہ کا گل سرسبد۔(13)
2۔ عقل ونقل کے امتزاج کا ایک منفرد نمونہ۔(14)
3۔ فقہ اسلامی کے امتیازی خصائص۔(15)
4۔ اہم فقہی علوم اور مضامین: ایک تعارف۔(16)
5۔ تدوین فقہ اور مناہج فقہا۔(17)
6۔ اسلامی قانون کے بنیادی تصورات۔(18)
7۔ مقاصد شریعت اور اجتہاد۔(19)

8۔ اسلام کا دستوری اور انتظامی قانون۔(20)

9۔ اسلام کا قانون جرم وسزا۔(21)

10۔ اسلام کا قانون تجارت و مالیات۔(22)

11۔ مسلمانوں کا بے مثال فقہی ذخیرہ: ایک جائزہ۔(23)

12۔ فقہ اسلامی کا دور جدید۔(24)

ان کی تیسری کتاب ''عصر حاضر اور شریعت اسلامی'' ہے جسے انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد نے جولائی 2009ء میں شائع کیا۔

اس کا ابتدائیہ خالد رحمان نے اور پیش لفظ پروفیسر خورشید احمد نے تحریر کیا ہے۔ اس میں ڈاکٹر غازیؒ کے کل آٹھ لیکچرز شامل ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ اسلامی شریعت، تعارف اور خصائص۔(25)

2۔ شریعت اور مسلم معاشرہ فرد کے اخلاقی تقاضے اور ذمہ داریاں، خاندان اور خاندانی امور۔(26)

3۔ شریعت اور مسلم معاشرہ: امت مسلمہ کا اجتماعی کردار۔(27)

4۔ عقیدہ و ایمانیات: نظام شریعت کی اولین اساس۔(28)

5۔ اسلامی شریعت اور مسلم معاشرہ: ملکی اور انتظامی امور بین الاقوامی معاملات۔(29)

6۔ اسلامی شریعت میں تزکیہ واحسان۔(30)

7۔ علم کلام، عقیدہ وایمانیات کی علمی تشریح وتدوین۔(31)

8۔ اسلامی شریعت اور امت مسلمہ کا تہذیبی اور تمدنی ہدف۔(32)

3۔اسلوب بیان:

ڈاکٹر صاحب کی پہلی کتاب کے سوا ان کی دونوں کتابیں ان کے خطبات یا محاضرات کا مجموعہ ہیں اور عام طور پر جیسا کہ ارباب علم ودانش جانتے ہیں کہ تصنیف اور تقریر کے انداز ہائے بیان میں واضح فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا مؤخر الذکر کتب دونوں بنیادی طور پر ان کی تصنیف نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ ان پر حتمی اور اختتامی نظر ثانی انہوں نے نے خود ہی کی تھی۔ لہٰذا اسی پہلو سے یہ کتب ان کی تصنیف ہی قرار دی جاسکتی ہیں۔

چونکہ دوسری طرف مقرر یا خطیب کو اپنے سامعین کی ذہنی سطح کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کی ان دونوں

کا انداز بیان سادہ، عام فہم اور بیانیہ ہے اور فاضل مقرر یا فاضل خطیب نے ان میں یہ کوشش کی ہے کہ اپنی بات یا اپنے مقصد کو حتی الوسع سادہ اور عام فہم انداز میں بیان کر دیا جائے۔ خواہ اس مقصد کے لئے انہیں اپنے سامعین یا سامعات کی سطح تک بھی اتر نا پڑے۔ اپنی اس کوشش میں وہ کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ اس کی صحیح تو وہی لوگ بتا سکتے ہیں جو ان کی علمی اور فکری مجالس میں موجود تھے۔ تاہم ان دونوں مجموعوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔

خطبات اور محاضرات دینے کا یہ انداز ان کا اپنا ذاتی تھا یا وہ اس مقصد کے لئے کسی اور صاحب علم سے متاثر تھے؟ اس بارے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ اس بارے میں بڑی حد تک ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے متاثر تھے۔(33) اور یہ بات خلاف حقیقت بھی نہیں ہے۔ اس لئے ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بہت قریب رہے ہیں اور وہ ان سے بہت متاثر تھے اور ان کے ساتھ مل کر انہوں نے کئی علمی منصوبوں پر کام کیا ہے۔ اس لئے یہ تاثر پذیری ان کے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ساتھ طالب علمانہ تمسک کو بھی ظاہر کرتی ہے۔

جہاں تک انہوں نے خود تسلیم کیا ہے وہ یہ کہ انہوں نے ان محاضرات میں ایک نیا انداز بیان پنایا ہے۔ جس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

> ''اردو دان قارئین میں فقہ اسلامی سے دلچسپی رکھنے اور استفادہ کرنے والوں کا تعلق عموماً تین قسم کے حضرات سے ہوتا ہے ان میں بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جن کا تعلق قانون اور وکالت کے شعبے سے ہے۔ جن کو اپنے روزمرہ فرائض کی انجام دہی کے دوران بہت سے معاملات کے بارے میں فقہ اسلامی کا موقف جاننے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ فقہ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے حضرات میں دوسری قسم وہ علمائے کرام ہیں جو فقہ یا افتا کی ذمہ داریاں انجام دے رہے ہیں۔ فقہ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کی تیسری قسم یونیورسٹیوں اور جدید تعلیمی اداروں سے وابستہ یا ان سے فارغ التحصیل وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے فقہ اسلامی کا ایک عمومی اور سرسری سا مطالعہ کیا ہے اور زیادہ مفصل انداز میں فقہ اسلامی کے موقف کو جاننا چاہتے ہیں۔ آج فقہ اسلامی کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کا ایک بڑا سبب ایسے لٹریچر کی دستیابی بھی ہے جس سے یہ تینوں قسم کے حضرات استفادہ کر سکیں اور ایک مؤثر انداز میں فقہ کا موقف بیان کر سکیں۔ زیر نظر کتاب

اسی مقصد کو حاصل کرنے کی ایک حقیر سی کوشش ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب نہ صرف فقہ اسلامی کے طلبہ، وکلا اور قانون دان حضرات کے لئے مفید اور دلچسپ ثابت ہوگی۔ بلکہ عام تعلیم یافتہ حضرات بھی اس کے ذریعے بہت سے معاملات میں فقہ اسلامی کے موقف کو اس کے صحیح پس منظر میں سمجھ سکیں گے اور دورِ جدید میں اس کی معنویت کا اندازہ کر سکیں گے۔''(34)

4۔فکری گہرائی:

بظاہر تو یہ محاضرات یا لیکچرز ڈاکٹر غازیؒ صاحب کے ان خطبات پر مشتمل ہیں جو انہوں نے دینی درس و تدریس کا کام کرنے والی خواتین اور دوسرے حضرات کے سامنے دیئے جس سے بظاہر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ یہ بھی اسی طرح کے لیکچرز یا خطبات ہوں گے۔ جس طرح کہ عام طور پر اس نوع کے خطبات بازار میں چلتے ہیں اور جن میں عام طور پر وقت کے ضیاع کے سوا، کچھ نہیں ہوتا تاہم جب ہم گہرائی میں جا کر ان کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہمیں ان خطبات یا محاضرات کی فکری اور تحقیقی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے، دراصل یہ خطبات ڈاکٹر غازی کی اس موضوع پر زندگی بھر بھی کی محنت، مطالعے اور تحقیق کا نچوڑ ہیں اسی لیے ان کی علمی اور فکری دنیا میں اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ اہل علم ہی لگا سکتے ہیں، چنانچہ پروفیسر خورشید احمد، عصر حاضر اور شریعت اسلامی کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں: ''علمی اعتبار سے یہ لیکچرز نہایت معتبر تھے، ان میں نہ کوئی مداہنت برتی گئی، نہ معذرت خواہانہ انداز علمی اختیار کیا گیا، اور نہ کسی تعلّی یا تفاخر کا اظہار ہوا، جو بات کی گئی وہ قرآن وسنہ اور تاریخ کے قابل اعتماد مآخذ کی بنیاد پر کی گئی۔''

ان لیکچرز میں جامعیت تھی اگرچہ عنوانات کا کینوس بڑا وسیع تھا، اور موضوع کا حق ادا کرنا مشکل تھا، لیکن وسعت، تنوع اور ہمہ گیریت کے اعتبار سے میں نے ان لیکچرز کو جامع پایا۔

پھر اگرچہ اس میں بڑے مشکل اور دقیق موضوعات بھی تھے، لیکن انہوں نے اسے قابل فہم بنا کر آسان زبان میں پیش کیا ہے:

خاص طور پر علم کلام کے کچھ موضوعات ایسے تھے، جن کو سمجھنا اور سمجھانا آسان نہیں ہے، لیکن الحمدللہ بڑی آسان زبان میں ان کو بیان کیا گیا ہے۔(۳۵)

اور خود ڈاکٹر غازی صاحب اپنے پہلے خطبہ کے شروع میں لکھتے ہیں:

''لیکن جب ایمانیات اور عقیدے کے مسائل پر بارہ عنوانات کی فہرست مرتب کرنے کا مرحلہ آیا تو یہ

خیال ہوا، کہ عقیدہ اور ایمانیات پر گفتگو میں بہت سے ایسے مسائل بھی زیر بحث آئیں گے، جو شاید ان حضرات کی دلچسپی کے نہ ہوں جو اس میدان کے متخصص نہیں ہیں۔ کلامی مذاہب عقائد کی نازک بحثیں اور علمائے متکلمین کے مناقشات سے بحث اس باب میں ناگزیر ہے۔ پھر علم کلام کا آغاز کیسے ہوا۔ فلسفہ یونان سے جب مسلمانوں کا واسطہ پیش آیا اس کے نتیجے میں کیا مسائل پیش ہوئے؟ یہ سب مسائل جو عام سامعین وقارئین کے لئے زیادہ دلچسپی اور عملی افادیت کے حامل نہیں ہیں۔ کلام کی گفتگو میں ناگزیر ہیں۔''(36)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کتابوں یا ان محاضرات میں ڈاکٹر غازی صاحب دوہرے امتحان سے گزرے ہیں ان کا ایک امتحان تو وہ دقیق اور مشکل مسائل کا فہم تھا۔ جن پر انہوں نے ان محاضرات یا اپنے خطبات میں گفتگو کی ہے اور ان کا دوسرا امتحان ان مشکل علمی اور فلسفیانہ مسائل کو جدید انداز یا عام فہم اور روزمرہ کی زبان اور استعمال کے عام محاوروں میں بیان کرتا تھا اور جیسا کہ اوپر پروفیسر خورشید احمد صاحب کے حوالے سے ذکر ہوا۔ وہ ان دونوں امتحانات میں پورا اترے ہیں اور انہوں نے شریعۃ اور اس سے متعلقہ مباحث خصوصاً مقاصد شریعۃ پر علمی اور فقہی پہلو سے بڑی علمی اور مدلل گفتگو کی ہے۔

5۔ مآخذ ومصادر:

کسی بھی کتاب مقالے یا خطبے (Lecture) کی علمی اور فکری اہمیت کا اندازہ اس کے مآخذ ومصادر یعنی اس کے منابع سے ہوتا ہے کہ لکھنے والے یا کہنے والے نے یہ بات کس سند یا کس اتھارٹی پر دوسروں سے کہی ہے۔ اس حوالے سے جب ہم ڈاکٹر غازیؒ کی ان کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں سے پہلی کتاب یعنی ادب القاضی کے مصادر و مآخذ تک رسائی تو بے حد آسان ہے مگر ان کی دوسری دو کتب کا معاملہ اس سے قدرے مختلف ہے۔

عام طور پر مقرر یا خطیب یا استاد اپنی گفتگو کے دوران اپنے مآخذ ومصادر کا ذکر نہیں کرتا جس کی بنا پر کسی بھی طالب علم یا محقق کے لئے یہ دریافت کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ وہ اس تقریر یا اس کے درس کے مصادر و مآخذ کیا کیا ہیں؟

مگر یہاں بھی ڈاکٹر غازیؒ ہمیں دوسرے مقررین اور خطباء سے الگ اور منفرد نظر آتے ہیں۔ ان کے ان خطبات یا محاضرات کی ایک اہم خاصیت یہ ہے کہ وہ اپنی گفتگو کے دوران میں ان کتابوں یا ان مآخذ ومصادر کی طرف بھی اشارہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ جن کتابوں یا جن مصادر سے انہوں نے استفادہ کیا تھا یا جن مآخذ ومصادر سے اس بارے میں مزید معلومات یا مزید تحقیق کی جاسکتی ہے۔

اس حوالے سے جب ہم ان کے مآخذ ومصادر پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس ضمن میں کتابوں اور

مصنفین کی ایک طویل فہرست نظر آتی ہے۔جن سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔ بلکہ یہ فہرست جامع ہونے کے ساتھ ساتھ متنوع بھی دکھائی دیتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مآخذ ومصادر کی اس فہرست کو اگر علوم کے منہج پر مرتب کیا جائے تو مختلف علوم وفنون کی مختلف کتب نظر آتی ہیں۔

مثال کے طور پر علم الحدیث اور قرآنیات میں ابن تیمیہ اور ان کی کتاب السیاسۃ الشرعیۃ (37)، ابن عبدالبر(38)، ابویعلی (39)، امام احمد بن حنبل (40)، سفیان ثوری (41)، شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کی کتاب ازالۃ الخفاء (42)، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (43)، الغزالی اور ان کی کتاب احیاء علوم الدین (44)، امام مسلم (45)، امام نسائی (46)، صحاح ستہ (47) اور صحیح بخاری (48) وغیرہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔

جب کہ فقہ، اصول فقہ اور علوم فقہ پر امام رازی اور المحصل فی افکار المتقدمین والمتاخرین (49)، الغزالی کی المستصفیٰ (50)، الشاطبی کی الموافقات (51)، علامہ اقبال کی تشکیل جدید الٰہیات (52) اور خود ان کی اپنی محاضرات فقہ (53) جیسی کتب شامل ہیں۔علیٰ ہذاالقیاس انہوں نے اسلامی تاریخ، سیرت طیبہ اور تصوف وغیرہ پر بہت سی بنیادی کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔ جب کہ مختلف علوم وفنون کے حوالے سے مغربی علماء، فلاسفہ اور مستشرقین اور ان کی کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے۔(54) جس کی بناء پر ان محاضرات کی قدر و قیمت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔

6۔مقاصد شریعۃ:

ان خطبات اور درس کی سب سے نمایاں خصوصیت ''مقاصد شریعۃ'' سے ان کا تعلق اور اس بنیاد پر مختلف احکام اسلامی کو ذہنوں میں مستحکم کرنا ہے۔

مقاصد شریعۃ سے مراد وہ بنیادی مقاصد اور اہداف ہیں جو اسلامی شریعۃ کے جملہ احکام میں بالواسطہ یا بلاواسطہ پیش نظر رہتے ہیں۔(55) دوسرے الفاظ میں شریعت کے احکام میں جو مصلحتیں پنہاں ہیں اور جو حکمت پیش نظر ہے اس کا مطالعہ مقاصد شریعۃ کے عنوان کے تحت کیا جاتا ہے۔

مقاصد شریعۃ پر غور وخوض اور ان کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ اسلام کے روز اول سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اگر چہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ مومن کے لئے کسی کام کی حکمت کا واضح ہونا ضروری نہیں ہے۔اس لئے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرنے کا پابند ہے۔خواہ اس کی کوئی حکمت اور مصلحت اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔لیکن دلوں کے اطمینان اور ایمان پر ثابت قدمی کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کی حکمتوں کو

جاننا اوران پرغور وفکر کرنا خود انبیاء کرام اور بندگان خاص کا شیوہ رہا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے واقعے میں اس کا تذکرہ ہوا۔(56) اسی طرح حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعے کے آخر میں حضرت خضرؑ کی طرف سے ان کے کیے گئے اقدامات کی حکمت کی وضاحت اسی سلسلے کی کڑی ہے۔(57)

مقاصد شریعت یا دینی احکام کی حکمتوں اور مصالح کو تلاش کرنے کی کوشش یوں تو بہت سے لوگوں نے کی۔ تاہم اس حوالے سے امام ابو حامد الغزالی(58)، عزالدین بن عبدالسلام (القواعد الحکام فی مصالح الانام)، حافظ ابن القیم (صاحب اعلام الموقعین)، ابواسحاق شاطبی (صاحب الموافقات) اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی(59) کو اللہ تعالیٰ نے خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔ جس کے تحت انہوں نے قریب قریب اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی حکمت تلاش کر کے اسے عمدہ ترین انداز میں بیان فرمایا ہے۔(60)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ہاں یہ مضمون ان کی مختلف تحریروں میں بکھرا ہوا ہے۔ چونکہ انہوں نے اپنی زندگی پیرس جیسے ''لادینیت'' کے قلب ومرکز میں بسر کی اور ان کے مخاطب مغربی لوگ ہی تھے۔ اسی لئے انہیں اس کی بہر حال ضرورت تھی۔ جب کہ ڈاکٹر غازی کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ اگر چہ کسی غیر مسلم ملک میں پیدا ہوئے اور نہ ہی انہوں نے زندگی کا چھوٹا یا بڑا حصہ کسی ایسے ملک میں بسر کیا۔ لیکن ان پر اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی تھی کہ انہیں احکام شریعت کی حکمتوں کا ذوق عطا ہوا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت طویل عرصے تک ''دعوۃ اکیڈمی'' کے ڈائریکٹر اور فیصل مسجد کے خطیب رہے اور اس لحاظ سے ان کا جدید پڑھے لکھے طبقے کے ساتھ براہِ راست تھا اور آج کے پڑھے مسلمانوں کے لے محض یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں حکم دیا ہے۔ بلکہ موجودہ دور کے لوگ ہر ایک کام اور ہر ایک حکم کی حکمت اور اس کی مصلحت جاننا چاہتے ہیں اور اگر آج کے دور میں دین اسلام کو غالب وفائق کرنا ہے تو علمائے اسلام کو ''مقاصد شریعۃ'' کو جاننا اور ان کو عوام کے سامنے بیان کرنا ناگزیر ہے۔

ڈاکٹر غازی کے تمام خطبات میں عمومی طور پر مقاصد شریعت کا فہم وادراک اور ان کو مناسب انداز میں بیان کرنے کا جذبہ یکساں طور پر پایا جاتا ہے اور مقاصد شریعۃ سے ان کی وابستگی کا اندازہ فقہ واصول فقہ پر ان کی تمام کتابوں، مقالات اور محاضرات سے بخوبی ہوتا ہے۔ دراصل مقاصد شریعۃ ایک مستقل مضمون بھی ہے اور مختلف مضامین وموضوعات کو بیان کرنے کا انداز اور اسلوب بھی ہے اور ڈاکٹر غازی کا اختصاص یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کا یہ رنگ خصوصی طور پر عطا کیا تھا۔ علاوہ ازیں انہوں نے 2004ء میں جو خطبات محاضرات فقہ

کے عنوان سے دیئے ان میں پانچواں خطبہ خاص طور پر مقاصد شریعۃ کے بارے میں ہے۔ یہ خطبہ تقریباً 50 صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ایک طرف تو اس پہلو پر علمی اور فکری سطح پر ہونے والے پچھلے کاموں کا جائزہ لیا گیا ہے تو دوسری طرف اس موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا۔ یہ خطبہ اس قدر جامع ہے کہ اس کے پڑھ لینے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آدمی نے ایک ساتھ بہت سی کتابیں پڑھ لی ہوں۔

اپنے اس مضمون یا خطبے کے شروع میں وہ لکھتے ہیں:

> ''احکام شریعت کی مصلحتوں سے واقف ہونے کی کوشش کرنا یا اللہ تعالیٰ کے فرمودات اور احکام کی حکمتیں جاننے کی خواہش کرنا اللہ کے مقرب اور نیک انسانوں کا طریقہ رہا ہے۔ انسان کا مزاج یہ ہے کہ بہت سی یقینی اور قطعی چیزوں پر وہ پختہ ایمان رکھتا ہے لیکن مزید اطمینان ہوجاتا ہے جب ان کو انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔ بعض اوقات آدمی سن کر ایمان تو لے آتا ہے یا اس بات کو مان تو لیتا ہے لیکن جس کو پختگی اور اطمینان قلبی کی کیفیت کہتے ہیں وہ دیکھ کر ہی حاصل ہوتی ہے۔''(61)

دراصل اسلامی تاریخ میں ہمیشہ سے اس حوالے سے دو موقف رہے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں الگ الگ کوئی حکمت پائی جائے۔ بلکہ احکام کی مجموعی حکمتوں کی موجودگی کافی ہے۔ جب کہ دوسرا مسلک جسے امام رازی، امام غزالی اور آخر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے زور شور کے ساتھ پیش کیا۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر غازیؒ اسی موقف کے حامی تھے۔ چنانچہ آپ کہتے ہیں اس لئے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ شریعت کے ہر حکم میں کوئی نہ کوئی علت، کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت پوشیدہ ہے۔ خود قرآن کریم پر غور کرنے سے بعض احکام کی مصلحتیں اور حکمتیں ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔ قرآن مجید نے جابجا وہ حکمتیں بیان کی ہیں۔ احادیث کا ایک سرسری سا جائزہ لیں تو وہاں بھی ہر حکم کے پیچھے کوئی نہ کوئی حکمت بیان ہوئی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ کی دوسری جلد میں حضرت شاہ ولی اللہ نے احادیث میں بیان کردہ بہت سے احکام کی مصلحتیں اور ان کی حکمتیں بیان کی ہیں۔(62)

اسی طرح انہوں نے مقاصد شریعۃ کو ایک نئے انداز میں اجاگر کیا ہے لیکن جیسا کہ ہم اوپر بیان کرآئے ہیں۔ ڈاکٹر غازی کے ہاں مقاصد شریعۃ کے ادراک اور ان کے فہم کا اندازہ صرف ایک مضمون یا خطبے سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کے تمام محاضرات یا دروس سے ہوتا ہے۔ دراصل ڈاکٹر غازیؒ کے ہاں ہمیں واضح طور پر یہ اپروچ

(Approach) یا یہ منہج دکھائی دیتا ہے کہ وہ مصالح کو پیش نظر رکھ کر گفتگو کرتے تھے اور اپنی گفتگو یا اپنی تحریر میں وہ اس موضوع کی تحقیق پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی حکمت اور اس کے فلسفے کو بھی واضح کرتے تھے۔ یہ کچھ تو خداداد صلاحیت تھی جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کی تھی اور کچھ یہ ان کی ذاتی محنت اور مطالعے اور خصوصاً ڈاکٹر محمد حمید اللہ جیسے لوگوں کے ساتھ ان کے تمسک اور تلمذ کا نتیجہ تھی۔ اس لئے ہم انہیں عصر حاضر میں مقاصد شریعۃ کے شارح و ترجمان قرار دے سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے! آمین

حوالہ جات

1۔ اس سیمینار کے تمام مقالات، قافلہ ادب اسلامی کے خصوصی شمارے مطبوعہ 1419ھ/1999ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں ڈاکٹر غازی کا مقالہ، ص208-242، بھی شامل ہے۔

2۔ دیکھئے، ڈاکٹر صاحب کا سوانحی خاکہ، درروز نامہ نوائے وقت، بابت 27 ستمبر 2010ء، نیز شریف فاروقی/ طاہر فاروق، درنوائے وقت، 26 نومبر 2010ء، نیز ڈاکٹر محمد الغزالی سے ذاتی ملاقات، نیز ڈاکٹر محمود احمد غازی کا سی وی مملوکہ مقالہ نگار۔

3۔ نیز ان کا C.V (قلمی)، مملوکہ مقالہ نگار۔

4۔ ایضاً

5۔ محاضرات، الفیصل ناشران وتاجران کتب، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔

6۔ دیکھیے، ابوالحسنات ندوی، قدیم اسلامی درسگاہیں، نیز اختر راہی، ڈاکٹر درس نظامی اور اس کے مؤلفین، مطبوعہ لاہور۔

7۔ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، جولائی 1983ء

8الف۔ دیکھیے کلمات تشکر وامتنان، ص5، مرتبہ مجلس منتظمہ تراجم مصادر قانون اسلامی، در ادب القاضی، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔

8ب۔ دیکھیے از، ص467 تا 612

9۔ ادب القاضی، ص79

10۔ ادب القاضی، ص79

11۔ ایضاً، ص79-80

12۔ محاضرات فقہ، مطبوعہ الفیصل ناشران کتب 2005ء، لاہور، ص807

13۔ محاضرات فقہ، ص1-54
14۔ ایضاً، ص57-112
15۔ ایضاً، ص115-164
16۔ ایضاً، ص167-212
17۔ ایضاً، ص215-254
18۔ ایضاً، ص255-291
19۔ ایضاً، ص293-344
20۔ ایضاً، ص345-384
21۔ ایضاً، ص385-426
22۔ ایضاً، ص427-472
23۔ ایضاً، ص473-511
24۔ ایضاً، ص513-556
25۔ عصر حاضر اور شریعت اسلامی، ص1-36
26۔ ایضاً، ص37-78
27۔ ایضاً، ص79-124
28۔ ایضاً، ص125-170
29۔ ایضاً، ص171-226
30۔ ایضاً، ص227-284
31۔ ایضاً، ص285-320
32۔ ایضاً، ص321-327
33۔ دیکھیے خطبات بہاولپور، مطبوعہ 1985ء، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔
34۔ ایضاً، ص5-8 (باختصار)
35۔ پروفیسر خورشید احمد، پیش لفظ، عصر حاضر اور شریعت اسلامی، ص11
36۔ عصر حاضر اور شریعت اسلامی، ص4
37۔ دیکھیے عصر حاضر اور شریعت اسلامی، ص58,109,186 و اشاریہ، ص367

38۔ ایضاً، ص305

39۔ ایضاً، ص178-187 وغیرہ۔

40۔ ایضاً، ص141,144,170 وغیرہ۔

41۔ ایضاً، ص141

42۔ ایضاً، ص14,16,50 وغیرہ۔

43۔ ایضاً، ص440

44۔ ایضاً، ص261

45۔ ایضاً، ص145,146

46۔ ایضاً، ص83,214

47۔ ایضاً، ص83

48۔ ایضاً، ص235,245

49۔ ایضاً، ص289-308

50۔ ایضاً، ص286

51۔ ایضاً، ص12

52۔ ایضاً، ص155-161

53۔ ایضاً، ص3,4,5

54۔ دیکھیے، اشاریہ جات۔

55۔ محاضرات فقہ، ص395، ساتواں خطبہ۔

56۔ البقرہ، 2/

57۔ الکہف، 17/

58۔ دیکھیے، احیاء علوم الدین، مطبوعہ قاہرہ۔

59۔ دیکھیے، حجۃ اللہ البالغہ، دہلی و قاہرہ، اردو ترجمہ کراچی۔

60۔ محاضرات فقہ، ص30

61۔ ایضاً، ص299

62۔ ایضاً، ص303-306

اسلامی ریاست کا تصور

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے محاضرات کے تناظر میں ایک خصوصی مطالعہ

*سعید الرحمٰن

Abstract

Dr. Mehmood Ahmad Ghazi (d. 2010) was an eminent religious scholar. He served as a Professor as well as President in International Islamic University Islamabad, a prestigious institution of Islamic Studies He has distinction that he delivered many special lectures in series, which have been knowned as "Muhadhrat". These lectures, which have been published, presents a moderate aspect of Islam. In this article the concept of Islamic State has elaborated with reference of Dr. Ghazi's views. He prescribed Islamic State as pan human and non theocratic religious state, which typifies the values of human dignity, justice, equality, brotherhood, moderation, discipline, meaningful consultation, solidarity and administrative skills. He has maintained that the mode of Islamic State develops with society's manners and environments.

استاذی المکرّم پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ (2010-1950ء) ان معدودے شخصیات میں سے ہیں، جن کو علمی میدان میں اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے ساتھ ساتھ اعلیٰ انتظامی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا موقعہ ملا، ''محاضرات'' کے عنوان سے دینی لٹریچر میں ان کا حصہ بہت ہی نمایاں ہے، فقہ اسلامی سے خصوصی شغف نے ان کو اپنے معاصرین میں ممتاز حیثیت عطا کی۔ ادارہ تحقیقات اسلامی سے بطور تحقیقی سکالر وابستہ ہوئے، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں ایک استاد (1) کے طور پر منسلک ہونے کے بعد اس کے سب سے بڑے منصب ''رئیس الجامعہ'' پر فائز ہوئے۔ وفاقی وزیر مذہبی امور اور اعلیٰ شرعی عدالتوں (وفاقی شریعت کورٹ اور سپریم

*چیئرمین، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

کورٹ شریعت اپیلٹ بنچ) میں بطور جسٹس، ذمہ داریوں کی ادائیگی اس پر مستزادتھی۔

ڈاکٹر غازیؒ نے ''محاضرات'' کے ذریعہ اردو دان طبقہ تک اسلام کی روشن تعلیمات کا ایک مؤثر حصہ، عمدہ انداز میں پیش کیا ہے۔ جامعات میں علوم اسلامیہ کے طلبہ واساتذہ کے لئے یہ محاضرات اسلامی شریعت کے بنیادی ذخیرۂ علم تک رسائی کا ذریعہ ہیں، ان محاضرات کی تدوین سے ان کی افادیت میں مزید اضافہ ہوگا۔

ڈاکٹر غازی نے اپنے محاضرات میں فقہ اسلامی کے آٹھ اہم شعبوں کا تذکرہ کیا ہے، جن میں عبادات، عائلی احکام، فوجداری احکام، دیوانی احکام، معاشرتی احکام، دستوری وانتظامی احکام، عدالتی احکام اور بین الاقوامی احکام شامل ہیں۔ ان کی رائے میں ان میں سے تین شعبے دور جدید کے تناظر میں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ (۱) اسلام کا دستوری وانتظامی قانون (۲) اسلام کا فوجداری قانون (۳) اسلام کا معاشی قانون۔(2)

زیر نظر مضمون میں اسلامی ریاست کی نوعیت، مقاصد اور اصول کے حوالہ سے ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے نقطۂ نظر کا جائزہ مقصود ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانی زندگی کو مختلف خانوں میں تقسیم کر کے مطالعہ کرنے سے، بہت سے ایسے تصورات جنم لیتے ہیں، جو کسی ایک شعبہ زندگی میں تو بہت جاذب توجہ محسوس ہوں مگر دوسرے شعبہ کے بنیادی تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں۔ موجودہ دور میں دین کی تعبیر میں کسی ایک پہلو میں غلو سے غیر متوازن تصور اسلام ابھرا ہے، مثلاً نوآبادیاتی دور سے اگلے دور میں جب مسلم اکثریتی علاقے داخل ہوئے تو وہاں نفاذ اسلام کے عنوان سے سیاسی میدان میں جب جدوجہد کا ڈول ڈالا گیا تو اس کے لئے حصول اقتدار ایک ناگزیر ضرورت قرار پایا، یقیناً سیاسی جدوجہد میں اقتدار کا تصور ایک مانوس تصور اور فطری تقاضا گردانا جاتا ہے، لیکن جب اقتدار تک پہنچنے کے لئے بلاامتیاز ہر طریقہ کو اختیار کرنا روا قرار دیا جائے تو ایسی صورت میں اسلام کی دیگر شعبوں سے متعلق ہدایات وتعلیمات بھی اسی رنگ میں ڈھالنے کی سعی ہوتی ہیں جس کے نتیجہ میں سیاسی مذہب کا ایڈیشن تیار ہوتا ہے، جو اسلام کے روحانی، اخلاقی اور اجتماعی مقاصد کو نظر انداز کرنے کا باعث بنتا ہے۔

اس لئے ڈاکٹر غازی نے درست طور پر اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ اسلام کا سب سے پہلا اور اولین مطمح نظر یہ ہے کہ انسانی زندگی کو ایک مکمل انسانی زندگی کے طور پر لیا جائے اور انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اس طرح توازن اور اعتدال فراہم کیا جائے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ رہنمائی اور نظم وضبط سے خالی نہ رہے۔

وہ کہتے ہیں کہ انسانی زندگی کو ایک کل کے طور پر دیکھنے سے اس کے تمام پہلوؤں کے درمیان توازن قائم

کرنے میں مدد ملتی ہے جبکہ دنیا کے بیشتر نظاموں میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو جن میں بسا اوقات تعارض اور کشاکش کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے مجموعی طور پر یعنی ایک کل کے طور پر نہیں لیا گیا بلکہ اس کے کسی ایک پہلو کو دوسرے کسی پہلو پر ترجیح دی گئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ایک پہلو سے انسانی تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا تو دوسرے کئی پہلوؤں کے خاصے متاثر ہو گئے۔(3)

تاہم ان کے محاضرات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حکومت کی حیثیت متعین کرنے میں بظاہر تعبیر فکر کی دشواری محسوس کر رہے ہیں، اور اس حوالہ سے ان کی عبارت میں الجھن نظر آتی ہے۔ مثلاً قرآن حکیم کی سورۃ النور میں ارشاد ربانی ہے:

وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور، ۲۴: ۵۵)

(تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں خلافت عطا کرے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی اور ان کے دین کو جس کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے، ان کے لئے جما کر رہے گا اور ان کی حالت خوف کو امن سے بدل دے گا کہ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور جو شخص اس کے بعد کفر کرے گا تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔)

نیز سورۃ الحج میں ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ o (الحج، ۲۲: ۴۱)

(اگر ہم ان کو زمین میں جما دیں (حکومت دیں) تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔)

ان آیات کے حوالہ سے ڈاکٹر غازی کہتے ہیں کہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کا یہ حق نہیں ہے کہ اس کو حکومت ملے، انسان کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ وہ اقتدار اور حکومت کے لئے کوشش کرے، جس چیز کے لئے کوشش کرنی چاہئے، وہ رضاء الٰہی ہے، انسان کو جس چیز کے لئے کام کرنا ہے، وہ انفرادی طور اور اجتماعی طور پر شریعت کے احکام کے لئے کام کرنا ہے، اسلامی معاشرہ میں اخلاقی رجحانات کے فروغ کے لئے کام کرے۔(4)

اس سے بظاہر تاثر ملتا ہے کہ ان کی نظر میں حکومت، مسلمان کا حق نہیں اور حکومت کے لئے کوشش کرنا اس کے فرائض میں شامل نہیں اور یہ کہ رضائے الٰہی اور اقتدار میں مغائرت ہے۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امت کے قیام کے لئے دعا فرمائی تھی، ریاست کے قیام کی دعاء نہیں فرمائی تھی، یہ نہیں فرمایا تھا کہ اے اللہ میری اولاد میں لوگوں کو بادشاہ بنا دے اور سلطنت عطا کر دے، یہ فرمایا تھا امة مسلمة لک (5)۔

ان کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ قرآن حکیم میں ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھاتے وقت جو دعا کی تھی، اس کا ایک حصہ یہ تھا۔

> رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَا سِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ط اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ o (البقرہ، ۲:۱۲۸)
>
> (اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسل سے ایک امت پیدا کر جو تیری فرمانبردار ہو اور ہم کو اپنی عبادت کے طریقوں سے آگاہ کر اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔)

تاہم ڈاکٹر غازی اس کے ساتھ ہی امت کی ذمہ داری قرار دیتے ہیں کہ وہ ریاست قائم کرے، امام کا انتخاب کرے، قائدین کا تقرر کرے اس لئے امت کو امام معزول کرنے کا اختیار بھی حاصل ہے، اور وہ اس رائے کو اہل سنت، معتزلہ اور خوارج سب کی رائے قرار دیتے ہیں۔(6)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منصب امامت پر فائز کیا تو انہوں نے اپنی نسل کے لئے بھی اس منصب کا تقاضہ کیا تھا، جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عہد ظلم پیشہ لوگوں کو نہیں پہنچتا، گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح قیام امت کی دعاء کی، اسی طرح اپنی نسل کے لئے امامت و پیشوائی کے منصب کا بھی تقاضہ کیا ہے۔ (7)

حصول اقتدار کے حوالہ سے ڈاکٹر غازی کے مندرجہ بالا تبصرہ سے یہ اخذ کرنا درست نہیں ہوگا کہ وہ اسلام کی سیاسی و انتظامی تعلیمات اور اسلامی حکومت کے تصور کے قائل نہیں، غالبًا وہ سیاسی مذہب (Political Religion) کے تصور کے ناقد ہیں، جس کے تحت اقتدار کو مقصد قرار دے کر سیاسی اصولوں کو ترتیب دیا جاتا ہے اور ان میں ترمیم و تنسیخ کی جاتی ہے اور مذہب کو اقتدار کے لئے آلۂ کار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں معاشرہ، مذہب کے نام پر تقسیم در تقسیم کے عمل سے دوچار ہو جاتا ہے، اچھے مسلمان اور نسلی مسلمان کی بحث میں الجھ جاتا ہے جس سے تکفیری سوچ کے سوتے پھوٹتے ہیں اور گروہی عسکریت پسندی کو فروغ ملتا ہے۔ ڈاکٹر غازی کی نظر میں اصلاح احوال کا آغاز اعلیٰ اصولوں پر مبنی ایک منظّم معاشرتی جدوجہد سے ہوتا ہے، جس کے اگلے مرحلے میں انسانی معاشرہ کو اپنا نظام قائم کرنے اور باقی رکھنے کے لئے لازمی طور پر ایک سیاسی قوت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو گروہیت کی نمائندگی کی بجائے اعلیٰ اقدار کی نگہبان ہوتی ہے۔

ان کی نظر میں اقتدار برائے اقتدار کی سوچ اسلامی تعلیمات سے مناسبت نہیں رکھتی، چنانچہ دوٹوک انداز میں کہتے ہیں کہ ہر قسم کے وسائل سے کام لے کر مسلمان اقتدار کے حصول کے لئے کوشش کریں، کرسی پر قبضہ کرلیں، تخت حاصل کریں، لوگوں کی گردنوں پر فرمانروا بن جائیں، ایسی کوئی بات قرآن مجید کی کسی سورت، کسی آیت یا کسی بھی سیاق و سباق سے صراحۃً، کنایۃً یا اشارۃً کسی بھی اسلوب میں نہیں آئی۔(8)

سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کا مطمح نظر کیا ہونا چاہئے، کیا اسے دنیا میں بہتری لانے اور خوبی پیدا کرنے کے تصور سے کنارہ کش ہو کر صرف اور صرف مابعد الطبیعاتی اور روحانی اصلاح کو ہدف قرار دینا چاہئے؟ ڈاکٹر غازی اس سے اختلاف کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ اسلام کا اصل مطمح نظر آخرت کی زندگی ہے مگر یہ بات اس کے مزاج اور سکیم کے خلاف ہے کہ اس دنیا کے زندگی کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا جائے اور یہ بات قرآن مجید میں تواتر اور اتنی صراحت سے بیان کی گئی ہے کہ محتاج دلیل نہیں۔(9) اس سلسلہ میں حوالہ کے طور پر انہوں نے چار آیات کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔

1۔ وَمِنۡهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِي ٱلدُّنۡيَا حَسَنَةً وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ o أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمۡ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُواْ ۚ وَٱللَّهُ سَرِيعُ ٱلۡحِسَابِ o (البقرہ، ۲: ۲۰۱،۲۰۲)

(اور ان میں وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ، یہی لوگ ہیں جنہیں

ان کی محنت کے مطابق حصہ ملے گا اور اللہ حساب میں جلدی کرنے والا ہے۔)

آیت مذکور میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی کا تصور اور اعمال کے صلہ کے وعدہ خداوندی کا واضح ذکر ہے۔

2۔ وَابْتَغِ فِيْمَا اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ o (القصص، ۲۸:۷۷)

(اور جو مال اللہ نے تمہیں دیا ہے، اس سے آخرت کی منزل حاصل کرو اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش مت کرو اور جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے تم بھی احسان سے کام لو اور زمین میں فساد کے خواہاں مت ہو، اللہ فساد پیشہ لوگوں کو ناپسند کرتا ہے۔)

یعنی آیت مذکورہ میں دیگر احکام کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس دنیا میں جائز طریقہ سے جو مال و دولت اور منافع حاصل کیا جا سکتا ہے، اس کو حاصل کرنے میں کوتاہی مت کرو۔

3۔ فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ o (آل عمران، ۳:۱۴۸)

(ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بدلہ اور آخرت کا عمدہ بدلہ دیا اور اللہ عمدہ کاروں کو پسند کرتا ہے۔)

آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دونوں جہانوں کے صلہ کے عطا کرنے کا ذکر ہے۔

4۔ وَاكْتُبْ لَنَا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِى الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ط (الاعراف، ۷:۱۵۶)

(اے اللہ ہمارے لئے اس دنیا میں بہتری لکھ دے، اور آخرت میں بھی ہم نے تیری طرف رجوع کر لیا۔)

گویا دین اسلام، اپنے پیروکاروں کو باضابطہ طور پر دنیوی زندگی میں حسن کردار کی تعلیم دیتا ہے لہٰذا اسلامی معاشرہ کے قیام میں ہر مسلمان کو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا چاہئے، اور یہ محض انفرادی سطح پر نہیں بلکہ اس نصب العین پر اسلامی اخلاق پر کاربند قابل ذکر تعداد کا منظّم ہونا ضروری ہے، جو مسلم معاشرہ میں رائے عامہ کی بیداری کا ذریعہ بنے گی جس سے بدی کی قوتوں کا عرصہ حیات تنگ ہوگا اور اس کے نتیجہ میں ایک ریاستی اور انتظامی قوت تشکیل پائے گی۔

مزید برآں اس ضمن میں انہوں نے دو آثار بھی پیش کئے ہیں:

1۔ **الاسلام اس والسلطان حارس، فمالا اس له منهدم، ومالا حارس له ضائع(10)**

(یعنی اسلام ایک بنیاد ہے اور حکومت کی حیثیت محافظ کی ہے، جس عمارت کی کوئی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس عمارت کا کوئی چوکیدار نہ ہو وہ ضائع ہو جاتی ہے اور لوٹ جاتی ہے) گویا امت مسلم ایک عمارت ہے اس عمارت کی بنیاد شریعت کی تعلیمات ہیں اور حکومت اس کی نگہبان اور محافظ ہے۔

2۔ **ان الله لیزع بالسلطان مالا یزع بالقرآن(11)**

(اللہ تعالیٰ ریاست کے ذریعہ ایسے کام لیتا ہے جو قرآن کے ذریعہ نہیں ہو سکتے) کہ قرآن مجید ذہن سازی اور تربیت کے لئے ہے جبکہ قرآن پاک کے بعض احکام ایسے ہیں جن کے لئے حکومت اور ریاست کا ہونا ضروری ہے۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر غازی نے فقہ اسلامی کے قاعدہ کلیہ، **مالا یتم الواجب الا به فهو واجب (12)** کے حوالہ سے بھی کہا ہے کہ اسلامی قوانین کا نفاذ ایک دینی فریضہ ہے جو ریاست کے وجود کے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا، اس لئے اس کا قیام بھی فرض ہے۔(13)

بعض حلقوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر کسی قسم کے منظّم معاشرہ یا ریاست کا قیام نہیں تھا، اس سلسلہ میں ڈاکٹر غازی نے بطور خاص معروف مستشرق ولیم منٹگمری واٹ (14) کا بطور خاص ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنی کتابوں میں جو بات ذہن نشین کرائی ہے کہ مکہ میں تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کو صرف اخلاق سکھانا چاہتے تھے، اچھا مسلمان بنانا چاہتے تھے اور دین ابراہیمی کے بارے میں ان کا جو تصور تھا وہ عرب کے لوگوں کو اس کے مطابق تعلیم دینا چاہتے تھے، لیکن جب اقتدار ملا اور مدینہ جا کر قوت حاصل ہو گئی تو آپ نے مکہ کے دور کے آئیڈیل اور معیارات چھوڑ دیئے، حکومت اور اقتدار کے راستے پر چل پڑے، ایک بڑی سلطنت بنا دی۔ ڈاکٹر غازی کہتے ہیں کہ یہ بات بڑی جسارت اور گستاخی کی معلوم ہوتی ہے بلکہ شاید کافرانہ قسم کی بات ہے اور شواہد واقعات کے لحاظ سے بالکل غلط ہے۔(15)

ڈاکٹر غازی نے واضح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پروگرام میں اول دن سے ہی اجتماعی نظام کا قیام اور دین حق کے سیاسی وسماجی غلبہ کی حکمت عملی شامل تھی، انہوں نے اس ضمن میں قرآن حکیم کی مکی سورتوں، گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے تاریخی تسلسل اور سیرت نبوی کے واقعات کو بطور دلیل پیش کیا ہے اور بطور خاص درج ذیل امور

کا تذکرہ کیا ہے۔

1۔ قبل از ہجرت کی آیات میں سے ایک آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تلقین کی گئی ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًاo (الاسراء، ۱۷: ۸۰)

(اور آپ کہئے اے میرے رب! مجھے سچائی کے ساتھ کسی جگہ داخل کراور سچائی کے ساتھ ہی نکال اور مجھے اپنی طرف سے مددگار طاقت عطا کر۔)

معروف تابعی حضرت حسن بصریؒ، اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ کافر اہل مکہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے، جلاوطن کرنے اور گرفتار کرنے کی سازش کی تو اللہ نے ان اہل مکہ سے قتال کے فیصلہ کو عملی شکل دی چنانچہ آپ کو حکم دیا کہ آپ مدینہ ہجرت کر جائیں تو اس موقع پر یہ آیت نازل کر کے رہنمائی کی گئی۔(16)

2۔ ماضی میں کئی انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکومت سے نوازا جن میں حضرت یوسف، حضرت داوٗد، حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع علیہم السلام شامل ہیں، اور قرآن حکیم نے آپ کو ہدایت دی۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ط (الانعام، ۶: ۹۰)

(یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت عطا کی تو آپ بھی انہی کی راہ کی پیروی کیجئے۔)

3۔ رسول اللہ ﷺ مکی عہد میں قبائل عرب کے مختلف اجتماعات میں تشریف لے جا کر فرماتے تھے کہ میری دعوت قبول کر لینے سے اللہ تعالیٰ عرب وعجم کے خزانے تم پر کھول دے گا۔(17)

4۔ جب کفار مکہ نے حضرت ابوطالب کی وساطت سے اپنے بھتیجے کو دین اسلام کی دعوت سے باز رکھنے کے لئے مختلف پیش کشیں کیں تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں ان سے صرف ایک بات (کلمہ) چاہتا ہوں، اگر وہ قبول کر لیں گے تو عرب ان کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے اور عجم جھک جائیں گے۔(18)

ڈاکٹر غازی کہتے ہیں کہ اسلام کے کلمہ طیبہ کے بیج میں یہ ثمرات پہلے دن سے موجود تھے اور رسول اللہ ﷺ نے وقتاً فوقتاً اس کا اظہار بھی فرمایا۔(19)

5۔ دوسری بیعت عقبہ کے موقع پر جب مدینہ منورہ کے صحابہ کرام سے یہ بات طے ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ چلے جائیں گے تو ایک صحابی نے انصار سے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ اس بیعت کے نتیجہ میں پورے عرب اور عجم سے تمہارا اختلاف ہو جائے گا،

کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟ تو انہوں نے کہا ہم تیار ہیں۔(20)

6۔ غزوہ خندق کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے ایک چٹان پر کلہاڑا (یا کدال) مارا تو فرمایا کہ اس میں سے مجھے قیصر وکسریٰ کے محلات نظر آئے ہیں۔(21)

7۔ مدینہ منورہ کے ابتدائی دور میں سفانہ بنت حاتم طائی جب قید ہو کر آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر کہ وہ عرب کے مشہور سخی سردار حاتم طائی کی بیٹی ہیں تو آپ نے ان کو رہا کر دیا۔ جب وہ مسلمانوں کی قید سے باعزت طور پر رہا ہو کر امن وسلامتی کے ساتھ اپنے گھر چلی گئیں تو ان کے مشورہ پر ان کے بھائی عدی بن حاتم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا تو اس موقع پر دیگر باتوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عدی، عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ ایک نوجوان خاتون تن تنہا حضرموت (یمن) سے بعلبک (لبنان) تک کا طویل سفر کرے گی اور اس کے ہاتھ میں سونا ہوگا، مگر اس کو کوئی تنگ کرنے والا نہ ہوگا(22) گویا ایک ایسی ریاست کا قیام، جس میں مثالی امن وامان ہو اور عامۃ الناس کو مکمل تحفظ حاصل ہو، رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر تھا۔

ڈاکٹر غازی کی رائے میں اسلامی ریاست، ایک بین الانسانی، رائے عامہ کی نمائندہ اور دینی مگر غیر تقدیسی (Non Theocratic) ریاست ہوتی ہے۔ بین الانسانی ریاست اس اعتبار سے کہ اس کی اساس محض انسان ہونے پر ہوتی ہے، اس کی اساس کسی علاقائی یا نسلی یا لسانی تقسیم پر نہیں ہوتی۔ ماضی میں قائم اسلامی ریاست کا جو شخص بھی شہری بننا چاہتا وہ اس کا شہری بن سکتا تھا، اس کے لئے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کی شرط نہ تھی، مسلمان بھی اس ریاست کے شہری تھے، غیر مسلم بھی اس ریاست کے برابر کے شہری تھے بلکہ اس ریاست میں غیر مسلموں کا تحفظ زیادہ ہوتا تھا، غیر مسلموں کو خصوصی مراعات کا مستحق سمجھا جاتا تھا، ان کا تحفظ، ریاست اپنی خصوصی ذمہ داری سمجھتی تھی، ریاست کے افراد اس ذمہ داری کو انجام دینا اپنا بنیادی فریضہ سمجھتے تھے۔ علماء کرام اور فقہاء اسلام غیر مسلموں کے تحفظ میں حکمرانوں سے آگے رہتے تھے۔(23)

اسلامی ریاست اس مفہوم میں دینی ریاست ہے کہ وہ خالص دینی تعلیم کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے، دینی احکام پر عمل درآمد کی پابند ہے اور دینی قواعد وتعلیمات پر مبنی قانون کے نفاذ کی مکلّف ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ مغربی تھیوکریسی کے مفاسد اور نقائص سے مکمل طور پر پاک ہے، یہاں نہ اہل مذہب کا کوئی پیدائشی طبقہ ہے، نہ کوئی پوپ ہے، نہ کوئی چرچ ہے، نہ اہل مذہب کو ایسے اختیارات حاصل ہیں جو عامۃ الناس کو حاصل نہ ہوں یہاں اللہ اور بندے کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، اللہ اور بندے کے درمیان ہر وقت ایک براہ راست رابطہ (hotline) قائم

ہے۔ بندہ جب چاہے براہ راست اللہ تعالیٰ سے رجوع کرسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ براہ راست اس کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ یہاں گناہ بخشوانے کے لئے کسی پادری یا پروہت کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، یہاں اللہ اور رسول کے بعد کسی بڑے سے بڑے آدمی کا قول وفعل حجت نہیں ہے اس لئے تھیوکریسی کے جتنے مفاسد ہیں، جن کی وجہ سے اہل مغرب، تھیوکریسی کے نام سے ہر وقت خائف رہتے ہیں، وہ مفاسد اسلامی ریاست میں موجود نہیں ہیں۔(24)

ڈاکٹر غازی نے اسلامی ریاست کے بنیادی کردار کی وضاحت کے لئے جن اصولوں کی نشاندہی کی ہے ان میں کرامت انسانی، حریت وآزادی، عدل، اعتدال، اخوت ومساوات، اجتماعیت، مسئولیت، شورائیت، نظم و ضبط اور انتظامی صلاحیت شامل ہیں۔

1۔کرامت بنی آدم:

قرآن حکیم نے تکریم انسانیت کے جس اصول کی نشاندہی کی ہے (الاسراء، ۱۷:۷۰) اس میں مسلم یا غیر مسلم کی، عالم یا جاہل کی، مشرقی یا مغربی کی کوئی تفریق نہیں ہے، ہر وہ انسان جو آدم علیہ السلام کی اولاد ہے، وہ کرامت کے اس مقام پر فائز ہے جو خالق کائنات نے انسان کو عطا فرمایا ہے۔

2۔حریت وآزادی:

قرآن مجید ہر انسان کو آزاد تصور کرتا ہے، شریعت نے ہر انسان کے لئے اصل مقام ومرتبہ اس کے آزاد اور مستقل بالذات ہونے کا رکھا ہے۔ اسلام نے ایسا ماحول، ایسا رویہ اور ذہن پیدا کرنا چاہا ہے کہ جس میں لوگ جسمانی طور پر آزاد ہوں، مادی طور پر کسی کے غلام ودست نگر نہ ہوں، کوئی شخص دوسروں پر اپنی پسند و ناپسند مسلط نہ کرے تاہم انسان از خود اپنے اوپر ایسی حدود وقیود عائد کرے جس کے نتیجہ میں اسے تمام اخلاقی برکات حاصل ہوں جو شریعت نے واضح طور پر بیان کی ہیں۔(25)

3۔عدل:

عامۃ الناس قانون کی نظر میں برابر ہیں، اس لئے عدل کا اصول ناگزیر ہے۔قرآن مجید میں ایک جگہ بیان کیا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید، ۵۷:۲۵)

کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانی کتابیں اور شریعتیں اس لئے اتاری ہیں کہ عامۃ الناس میں مکمل عدل و انصاف قائم ہو جائے، عدل و انصاف کے ساتھ مساوات ناگزیر ہے، مساوات ہوگی تو عدل و انصاف ہوگا، عدل و انصاف قضا و عدلیہ کے ذریعہ بھی ہوتا ہے، عدل و انصاف انتظامی امور میں بھی ہوتا ہے، تقسیم دولت میں بھی ہوتا ہے، عدل و انصاف معاشرت اور معیشت میں بھی ہوتا ہے، الغرض ہر قسم کا عدل و انصاف قائم کرنا اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔(26)

اس ضمن میں ڈاکٹر غازی نے علامہ ابن قیم (751ھ) کا حوالہ دیا کہ وہ کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام تمام تر عدل ہیں، جہاں شریعت ہے، وہاں عدل ہے اور جہاں عدل ہے وہاں شریعت ہونی چاہئے اور جہاں عدل نہیں ہے وہاں شریعت نہیں ہوسکتی بالفاظ دیگر اگر کوئی شخص شریعت کے احکام کی ایسی تعبیر کرتا ہے جس کے نتیجہ میں عدل قائم نہیں ہوتا تو وہ تعبیر، نظر ثانی کی محتاج ہے۔(27)

4۔اعتدال:

عدل کی ایک شکل اعتدال ہے جو اسی لفظ سے ماخوذ ہے، انسان اپنے رویے میں جب توازن پیدا کرے گا، اپنے اندر سے پیدا ہونے والے تقاضوں کے درمیان توازن سے کام لے گا، جسمانی، روحانی، اخلاقی، نفسیاتی، جذباتی تقاضوں کے درمیان اعتدال کے رویے کو اختیار کرے گا تبھی وہ دوسروں کے ساتھ عدل سے کام لے سکے گا، جو انسان غصہ کے وقت اپنے آپے میں نہ رہے وہ عدل نہیں کرسکتا، نہ اپنے ساتھ عدل کرسکتا ہے، نہ دوسروں کے ساتھ عدل کرسکتا ہے، جو شخص مادی تقاضوں اور شہوات میں بہہ جائے اور اپنی اعلیٰ اخلاقی ذمہ داریوں کو بھول جائے وہ عدل کے تقاضے ادا نہیں کرسکتا اسی طرح جو انسان اپنے خود ساختہ اخلاقی خول میں اس طرح بند ہو جائے کہ زندگی کے حقائق کو بھول جائے یا زندگی کے مادی تقاضوں کو نظرانداز کر دے، وہ کبھی عدل سے کام نہیں لے سکتا۔(28)

5۔اخوت و مساوات:

عدل و انصاف اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ تمام افراد برابر نہ ہوں، اگر حاکم و محکوم برابر نہیں ہیں تو محکوم کو عدل و انصاف کیسے ملے گا، اگر دولت مند اور فقیر برابر نہیں تو فقیر کو عدل و انصاف کیسے ملے گا اور اگر بااثر اور بے اثر برابر نہیں تو بے اثر کو عدل و انصاف کیسے ملے گا، اور جب مساوات نہیں ہوگی تو اخوت و برابری بھی نہیں ہو سکتی، بھائی بھائی ہوں گے تو برابر ہوں گے، یہ نہیں ہوسکتا کہ بھائی بھائی بھی ہوں اور برابر بھی نہ ہوں، لہٰذا اخوت اور

مساوات لازم وملزوم ہیں۔(29)

6۔اجتماعیت:

اسلام میں انسانوں کوانسانوں کے ساتھ اس طرح جوڑا گیا ہے کہ جس طرح ایک دیوار بنانے کے لئے اینٹیں ایک دوسرے سے جوڑی جاتی ہیں، ہرانسان ایک اینٹ ہے جوایک دیوار کا حصہ ہے، اس کی اپنی شخصیت اور انفرادیت بھی ہے جس کو کوئی شخص مجروح نہیں کرسکتا، وہ عدل کا حق دار بھی ہے، وہ اخوت وکرامت میں بھی اپنا حصہ رکھتا ہے، اس کومساوات بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ حاصل ہے، وہ ایک معاشرہ اوراجتماع کا حصہ بھی ہے وہ ایک خاندان کا فرد بھی ہے، وہ دوستوں اور جاننے پہچاننے والوں کے ایک حلقہ کا رکن بھی ہے، وہ ایک ریاست کا شہری بھی ہے، وہ پوری انسانیت کا ایک فرد بھی ہے، ان سب مقامات پراس کی ذمہ داریاں الگ الگ ہیں۔(30)

7۔مسئولیت:

یہ تمام ذمہ داریاں یکطرفہ نہیں ہیں، یہ نہیں ہے کہ میری ذمہ داری بطور شہری کے تو ہولیکن ریاست کی میرے بارے میں کوئی ذمہ داری نہ ہو۔اگر میری ذمہ داری ریاست اور ریاست کے ذمہ داروں کے بارے میں ہے تو ان کی ذمہ داری میرے بارے میں ہے، اگر میری ذمہ داریوں میں معاشرتی معاملات شامل ہیں تو معاشرے کی ذمہ داریوں میں میرے حقوق وفرائض شامل ہیں، یہی وہ چیز ہے جس کو ''تکافل'' کے لفظ سے بعض عرب مصنفین نے یاد کیا ہے جس کے معنی دوطرفہ کفالت کے ہیں۔(31)

8۔شورائیت:

اسلام کا اجتماعی نظام شوریٰ پر استوار ہے، استبداد کی بنیاد پر نہیں، شوریٰ کے لفظ معنی شہد کی مکھی کے چھتے سے شہد نکالنا ہے۔(32) ڈاکٹر غازی کہتے ہیں کہ اس لفظ کے استعمال سے جو پیغام ملتا ہے وہ یہ ہے کہ جب شوریٰ کا عمل اپناؤ تو اس طرح کی تدابیر اور طریقہ کار اختیار کرو کہ ہر فرد کے پاس جو حکمت، عقل اور دانائی ہے، ایک ایک سے وہ دانائی حاصل کرو، پھر ان تمام انفرادی دانائیوں کے نتیجہ میں ایک ایسی اجتماعی دانائی کو مرتب کیا جائے جو امت مسلمہ کے لئے اجتماعی شفا کا ذریعہ اور سبب ہو۔(33)

اس ضمن میں انہوں نے ایک حدیث نبوی سے استدلال بھی پیش کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے حکمراں تمہارے بہترین لوگ ہوں، جب تمہارے دولت مند تم میں سب سے زیادہ سخی لوگ ہوں اور

جب تمہارے معاملات تمہارے باہمی مشورہ سے طے ہو رہے ہوں تو اس وقت تک زمین کی پشت تمہارے لئے زمین کے پیٹ سے بہتر ہے اور جب تمہارے امراء تم میں سے بدترین لوگ ہوں، جب تمہارے دولت مند تم میں سب سے بخیل لوگ ہوں اور تمہارے معاملات خواتین کے ہاتھ میں آ گئے ہوں تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے زمین کی پشت سے بہتر ہے۔ (34)

وہ واضح کرتے ہیں کہ حدیث کا مقصد مشاورت کے حوالہ سے اس کے عمومی دائرہ کی اہمیت اجاگر کرنا ہے اور خواتین کو اجتماعی معاملات سے نکالنا نہیں ہے، خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام خواتین سے مشورہ کرتے تھے، مذکورہ حدیث کے حوالہ سے ڈاکٹر غازی اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں جو عورتیں حکمرانوں کے قریب ہوتی ہیں، محض ان کے مشورے، کانا پھوسی اور پسند و ناپسند پر فیصلے کرنا تباہی کی علامت ہے جیسا کہ مغلوں اور عثمانی دور حکومت کے زوال کے عرصہ کی تاریخ شاہد ہے، اس سلسلہ میں وہ مغل حکمران شاہ جہاں کی خاص طور پر مثال دیتے ہیں کہ اس نے اپنی بیوی کے کہنے پر اورنگ زیب عالمگیر کے مقابلہ پر دارا شکوہ کو اپنا جانشین بنانا چاہا تھا۔ (35)

9۔ نظم و ضبط:

ریاست کا بنیادی مقصد معاشرہ کو نظم و ضبط میں رکھنا ہوتا ہے، اسلام نے عبادات جیسے امور جو اللہ اور بندے کے درمیان تعلق مضبوط کرنے کے لئے ہوتے ہیں میں بھی نظم و ضبط کو خصوصی اہمیت دی ہے، اسی طرح معاشرتی زندگی کا سب سے پہلا اور بنیادی ادارہ خاندانی نظام کہلاتا ہے، اس میں نظم و نسق کی اہمیت کے پیش نظر مرد کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

ڈاکٹر غازی نے خاندانی نظام کے ارکان کے حوالہ سے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ اسلام نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت مرد و عورت دونوں کو برابر رکھا ہے، دونوں کے حقوق اور ذمہ داریاں اپنی اپنی کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے برابر ہیں۔ دونوں کی ذمہ داریوں اور فرائض کی نوعیت میں فرق تو ضرور ہے لیکن ذمہ داری کے مختلف ہونے یا چھوٹا بڑا ہونے کے باوجود دونوں کی اخلاقی، اجتماعی اور قانونی حیثیت برابر ہے، ایک کی ذمہ داری ایک لحاظ سے زیادہ ہے تو دوسرے کی ذمہ داری دوسرے لحاظ سے زیادہ ہے، خاندانی نظام میں مرد اگرچہ خاندان کے دیگر لوگوں کے ساتھ برابری رکھتا ہے لیکن برابر والوں میں پہلا درجہ اسی کا ہے۔ (36)

ڈاکٹر غازی اس سلسلہ میں برطانوی نظام کے اس اصول کو بطور مثال پیش کرتے ہیں کہ کابینہ کے تمام

وزراء مساوی ہیں اور ان مساوی افراد میں سے وزیر اعظم سب سے پہلا ہے (All ministers are equal and the prime minister is the first among equals)(37)

معاشرہ میں نظم وضبط کی اہمیت کے پیش نظر ہی قرآن حکیم نے اولوالامر کی اطاعت کو ضروری قرار دیا ہے اولوالامر میں ہر سطح کے فیصلے کرنے والے شامل ہیں، اس میں صرف حکمراں نہیں، بلکہ وہ تمام افراد اور شخصیتیں شامل ہیں جو کسی نہ کسی حیثیت میں کسی نہ کسی سطح پر فیصلے کرنے کے مجاز، مکلّف یا پابند ہیں۔ گھر میں والدین ہیں، گھر سے باہر مختلف اداروں کے سربراہاں ہیں، مختلف تنظیموں کے قائدین ہیں، اس طرح درجہ بدرجہ اولوالامر کی حیثیت پھیلتی چلی جاتی ہے، دائرہ کار میں وسعت ہوتی جاتی ہے اور بالآخر حکمراں یا سربراہ ریاست پر یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے۔

لیکن یہ وضاحت از بس ضروری ہے کہ اولوالامر کی اطاعت دو شرائط سے مشروط ہے، ایک شرط تو یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی کی صورت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہو سکتی اور دوسری شرط احتساب کی ہے کہ محاسبہ ہر حکمراں اور ہر شخص کا ہوگا اس لئے علماء وفقہاء ہوں، قاضی ہوں یا کوئی دینی شخصیت اسلامی شریعت میں احتساب سے ماورا کوئی نہیں۔(38)

نظم وضبط کا ہی تقاضہ ہے کہ انسانی معاشرہ میں فتنہ نہ ہو، جس سے مراد بدنظمی اور لاقانونیت ہے، اگر اس کے خاتمہ کے لئے پرامن ذرائع ناکافی ثابت ہوں تو طاقت استعمال کرنے کی اجازت ہے اور اگر قانون کی قوت سے فتنہ فرو نہ ہو تو ان کے خلاف جنگ کرنے کی بھی اجازت ہے، اس سلسلہ میں ڈاکٹر غازی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال، ۸: ۳۹)

کہ فتنہ گر اور معاشرہ میں مسلسل لاقانونیت اور بدنظمی پیدا کرنے والوں کے خلاف جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے، فتنہ کا خاتمہ قرآن کے بنیادی مقاصد اور شریعت کی سکیم میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔(39)

10۔انتظامی صلاحیت:

اسلامی ریاست میں انتظامی پہلوؤں کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ مثلاً شہروں کی آبادی کس طرح ہو اور کن بنیادی ضروریات کو ملحوظ رکھا جائے جیسے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شہری منصوبہ بندی کے حوالہ سے فرمایا کہ سب سے پہلے ایک جگہ کو شہر کا مرکز قرار دیا جائے، وہاں شہر کی جامع مسجد بنائی جائے جس کے چاروں طرف کھلا میدان ہو، جہاں مسلمانوں کے جمع ہونے کی جگہ ہو، اس میدان کے چاروں طرف بازار ہوں، چاروں طرف

چار سڑکیں نکل رہی ہوں، اور وہ چار سڑکیں چار چار چھوٹے چھوٹے مراکز پر جا کر ختم ہوتی ہوں، ان چاروں مراکز کو اس طرح بنایا جائے جیسے بڑے مرکز کو بنایا جائے۔(40) گویا آج تازہ ترین شہری منصوبہ بندی کے جو نقشے رائج ہیں، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نقشہ اس کے مطابق تھا۔(41)

قرآن حکیم میں اسلامی ریاست کے چار بنیادی فرائض کا ذکر کیا گیا ہے:

(۱) اقامت صلوٰۃ (۲) ایتاء زکوٰۃ (۳) امر بالمعروف (۴) نہی عن المنکر

ان کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر غازی ان کی ہمہ گیریت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کے نزدیک نماز اور مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں بڑی گہری مشابہتیں پائی جاتی ہیں، جن میں نظم وضبط کی پابندی، اجتماعیت کی روح کی بیداری اور محاسبہ واحتساب کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ نیز قرآن حکیم میں زکوٰۃ کے جو مقاصد بیان کئے گئے ہیں ان میں تزکیہ مال وتزکیہ معاشرہ، پورے معاشرہ میں دولت کی گردش اور غربت کا خاتمہ شامل ہیں۔ علاوہ ازیں معروف ہر وہ خوبی ہے جس کو انسان کی عقل سلیم، خوبی تسلیم کرتی ہو اور وہ شریعت کے مقاصد اور اس کے عمومی اصولوں کے مطابق ہو، اس کا قیام وفروغ اور پروان چڑھانا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے، اسی طرح ہر منکر کا انسداد ضروری ہے جو انسان کی فطرت سلیمہ کے لئے قابل قبول نہ ہو اور شریعت کے متعین کردہ کسی ہدف یا مقصد کو بالواسطہ یا بلا واسطہ نقصان پہنچاتا ہو۔(42)

ڈاکٹر غازی، اسلامی ریاست کی بنیادی روح تین باتوں کو قرار دیتے ہیں۔ (43)

1۔ اللہ کی حاکمیت کا تصور، جس کا لازمی تقاضا انسان کی خلافت کا تصور ہے، جس کو رائے عامہ کے ذریعہ بروئے کار لایا جاتا ہے۔

2۔ ریاست میں احکام شریعت کی بالادستی ہو، گزشتہ سطور میں اس امر کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ شریعت کی بالادستی، عدل کی بالادستی کو مستلزم ہے۔

3۔ جمہور یعنی عامۃ الناس کو حکمرانوں کے عزل ونصب کا اختیار ہو، تاہم اس کا کوئی مخصوص طریقہ اسلام نے متعین نہیں کیا کہ یہ چیز تجربات اور حالات کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے، لہٰذا کوئی بھی ایسا مناسب طریقہ اپنایا جا سکتا ہے جس کے ذریعہ ایسے افراد کی نشاندہی ہو سکے جن پر جمہور کو اعتماد ہو، طریقہ کار کی وسعت کے ضمن میں ڈاکٹر غازی 1979ء کے انقلاب ایران کا حوالہ دیتے ہیں کہ آیت اللہ خمینی نے عوام کے اعتماد کے بل بوتے پر جب مہدی بازرگان کو وزیر اعظم نامزد کیا تو نہ صرف قوم نے تسلیم کیا بلکہ

اسے دنیا بھر میں قبول کیا گیا حالانکہ اس سلسلہ میں کوئی معروف طریقہ انتخاب اختیار نہیں کیا گیا۔(44)

ڈاکٹر غازی ان امور کے حوالہ سے مسلم تاریخ کے تسلسل کی رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی تاریخ کے بیشتر ادوار میں پہلی دو باتوں پر عمل ہوتا رہا ہے، تاہم تیسری بات کی بعض اوقات تاریخ میں خلاف ورزی کی گئی ہے۔ تاہم انفرادی خلاف ورزیوں یا انفرادی انحرافات کی وجہ سے اسلامی ریاست کی پوری تاریخ کو اسلام سے انحراف کی تاریخ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ریاست جس کے احکام فقہاء نے بیان فرمائے، جس کی فکری بنیادوں کو مفکرین اسلام نے بیان کیا جس کے عقلی تصورات سے فلاسفہ اسلام نے گفتگو کی، جس کے روحانی تقاضوں پر صوفیاء کرام نے کلام کیا، کسی نہ کسی شکل میں بارہ سو سال تک جاری رہی، اس نظام میں بلاشبہ بہت سی کمزوریاں آئیں، اچھے حکمراں بھی آئے، برے حکمراں بھی آئے، لیکن مسلمانوں نے کبھی بھی اس آئیڈیل کو نظرانداز نہیں کیا، جس آئیڈیل کی بنیاد پر یہ ریاست قائم ہوئی تھی۔(45)

الغرض اسلامی ریاست کے لئے اسلامی شریعت کی بنیادی روح اور اس کے اساسی مقاصد کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے۔ اسلامی ریاست، عوام الناس پر قوانین کا بوجھ لادنے کی بجائے ان میں اجتماعی شعور اور احساس ذمہ داری کی بیداری کے اصول پر کام کرتی ہے۔ مخصوص اصطلاحات پر زور دینے کی بجائے زمانہ کے اتار چڑھاؤ، درپیش مسائل کے تقاضوں اور حرفیت پسندی کی بجائے مآل کار پر نظر رکھ کر ایک ریاست اسلامی شریعت کے تصور ریاست کی نمائندگی کی اہل بن سکتی ہے۔ اسلام نے طرز حکومت کے حوالہ سے معروضی تقاضوں کو اہمیت دی ہے کہ انسانی حالات و تجربات کو مدنظر رکھا جائے، یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم و سنت نبوی میں خلافت کے ساتھ ساتھ امامت، بادشاہت، سلطنت، امارت وغیرہ کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔

الغرض ڈاکٹر محمود احمد غازی نے اپنے محاضرات میں اسلام میں ریاست کی نوعیت، مقاصد و فرائض کی شرعی دلائل اور عصری تقاضوں کے حوالہ سے مؤثر انداز میں نقاب کشائی کی ہے جس سے عصر حاضر میں ایک فلاحی ریاست کے خط و خال کا ایک واضح تصور (vision) اخذ کیا جا سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ راقم الحروف کا ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ سے پہلا رابطہ 1980ء کے آخر میں قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں اس وقت ہوا جب وہ پروفیسر ڈاکٹر حسین حامد حسان اور پروفیسر محمود احمد کے ساتھ اس پینل میں شامل تھے جو ایل ایل ایم شریعہ میں داخلہ کے خواہشمند طلبہ سے انٹرویو کر رہا تھا، جس کے نتیجہ میں راقم الحروف کا ان ابتدائی دس طلبہ میں انتخاب ہوا جو شریعہ فیکلٹی میں داخلہ لینے والا دوسرا گروپ تھا اور اس کے ساتھ ہی جب اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کا قیام عمل میں آیا تو ڈاکٹر محمود احمد غازی اس علمی کہکشاں کا حصہ بنے جس میں ڈاکٹر حسن محمود عبداللطیف الشافعی، ڈاکٹر عبدالہادی احمد سراج، ڈاکٹر عبداللطیف محمد عامر (میرے مقالہ بعنوان ''جریمۃ البغی فی الشریعۃ الاسلامیہ'' کے مشرف بھی تھے) ڈاکٹر شرف الدین محمود، ڈاکٹر عبدالغفور، ڈاکٹر عبداللہ عزام، ڈاکٹر محمد السنہوتی، ڈاکٹر جابر قمیحہ اور پروفیسر محمود احمد جیسے اساتذہ نے اسلامی شریعت اور پاکستانی قانون کی تفصیلات سے تشنگان علم کو سیراب کیا، ڈاکٹر غازی کی دلچسپی کا موضوع ''الفقہ الدولی'' تھا جس میں بین الاقوامی سطح پر مسلم وغیر مسلم باہمی معاملات کو شرعی نقطۂ نظر سے زیر بحث لایا جاتا ہے۔

2۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور، 2005ء، ص348

3۔ ایضاً

4۔ ایضاً، ص360

5۔ ایضاً، ص365

6۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات شریعت، الفصیل ناشران وتاجران کتب لاہور، 2009ء، ص285

7۔ القرآن، البقرہ، 124:2

8۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، ص353

9۔ ایضاً، ص352

10۔ النیسابوری، الحسن بن محمد بن حسین، نظام الدین (850ھ)، غرائب القرآن ورغائب الفرقان (تحقیق شیخ زکریا عمیرات) دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1416ھ، ج1، ص673

11۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء، الدمشقی (774ھ)، تفسیر القرآن العظیم (تحقیق محمد حسین شمس الدین)،

دارالکتب العلمیہ، بیروت، ج5،ص102

12۔ ولید بن راشد السعیدان، تلقیح الافہام بشرح القواعد الفقہیہ، مرقم آلیا، ج3،ص20

13۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات شریعت،ص286

14۔ ولیم منٹگمری واٹ ایک سکاٹش مورخ، پادری اور ایڈنبرگ یونیورسٹی میں عربی اور اسلامک سٹڈیز کے ایمریٹس پروفیسر تھے، 24 اکتوبر، 2006ء کو انتقال ہوا، ان کی 1953ء میں Muhammad at Mecca اور 1956ء میں Muhammad at Madina شائع ہوئی، بعد ازیں دونوں کا مجموعی خلاصہ 1961ء میں Muhammad Prophet and Statesman کے نام شائع ہوا۔

15۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ،ص366

16۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج5،ص102

17۔ رسول اللہ ﷺ، نبوت کے چوتھے سال سے ہر موسم حج میں عکاظ، مجنہ اور ذی المجاز میں حجاج کے پاس جا کر دعوت دیتے کہ اے لوگو! کہہ دو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں تو فلاح پاؤ گے، عرب کے مالک بنو گے، عجم تمہارے باجگذار ہوں گے اور جب تم ایمان لے آؤ گے تو جنت میں بادشاہ کے طور پر ہو گے (محمد بن یوسف الصالحی الشامی (942ھ) سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد (تحقیق عادل احمد وغیرہ) دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1414ھ، ج2،ص451

18۔ ابوبکر البیہقی، احمد بن الحسین بن علی (458ھ)، دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1405ھ، ج2،ص345

19۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ،ص368

20۔ ابن ھشام، عبدالملک، ابومحمد، جمال الدین (213ھ)، السیرۃ النبویہ (تحقیق مصطفیٰ السقا وغیرہ)، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، 1375ھ، ج1،ص446

21۔ رسول اللہ ﷺ نے 5ھ میں کفار مکہ کے مقابلہ کے لئے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا تو کھدائی کے دوران صحابہ کرام کے سامنے ایک بہت بڑی سفید چٹان آ گئی جو خندق کھودنے میں رکاوٹ بن گئی اور اس کو توڑتے ہوئے اوزار ٹوٹ گئے، رسول اللہ ﷺ کے علم میں یہ بات لائی گئی تو آپ خندق میں داخل ہوئے اور

حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کدال لے کر چٹان پر ضرب لگائی جس سے اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا اور ایک روشنی نمودار ہوئی، تو آپ نے اور اہل خندق نے نعرہ تکبیر بلند کیا پھر آپ کی دوسری ضرب کے نتیجہ میں چٹان کا ایک اور تہائی حصہ ٹوٹ گیا اور ایک اور روشنی کوندگئی تو آپ نے اور اہل خندق نے نعرہ تکبیر بلند کیا پھر آپ نے تیسری ضرب لگائی تو چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی اور مزید ایک روشنی چمکی تو آپ نے اور اہل خندق نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حیرہ اور مدائن کسریٰ (فارس) کے محلات دکھائے اور جبریل امین نے مجھے بتایا کہ میری امت ان پر غالب آئے گی، دوسری روشنی میں سرزمین روم (شام) کے سرخ محلات دکھائے اور جبریل نے بتایا کہ میری امت ان پر بھی غالب آئے گی، اور تیسری روشنی میں صنعا (یمن) کے محلات دکھائے گئے اور جبریل نے ان پر بھی میری امت کے غالب ہونے کی بشارت دی، لہٰذا (اس جنگ خندق میں بھی) مدد کی خوشخبری حاصل ہو (النیسابوری، عبدالملک بن محمد بن ابراہیم، ابوسعد (407ھ)، شرف المصطفیٰ دار البشائر الاسلامیہ، مکہ 1424ھ، ج 4، ص 11، ابوالقاسم الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب (360ھ)، المعجم الکبیر (تحقیق حمدی بن عبدالحمید)، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ، طبعہ ثانیہ، ج 13، ص 37)

22۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھا کہ ایک شخص نے آ کر فاقہ کی شکایت کی، دوسرے شخص نے سفر کے اسباب نہ ہونے کا تذکرہ کیا۔ اس موقع پر آپ نے عدی سے پوچھا کہ تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا دیکھا تو نہیں لیکن اس کا علم ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم نے لمبی عمر پائی تو تم ایک مسافر عورت کو دیکھو گے کہ وہ حیرہ سے سفر کرے گی یہاں تک کہ بیت اللہ کا طواف کرے گی اور اس کے دل میں اللہ کے خوف کے علاوہ کسی اور کا خوف نہ ہوگا، عدی کہتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ طے قبیلہ (عدی بن حاتم کا اپنا قبیلہ) کے بدقماش افراد کہاں چلے جائیں گے جنہوں نے شہروں میں اودھم مچا رکھا ہے، پھر آپ نے مزید فرمایا کہ اگر تمہاری زندگی مزید طویل ہوئی تو تمہارے سامنے کسریٰ کے خزانے فتح ہوں گے تو میں نے پوچھا کہ کیا کسریٰ بن ہرمز مراد ہے تو آپ نے اثبات میں جواب دیا، پھر آپ نے فرمایا اگر تمہاری زندگی مزید لمبی ہوئی تو ایسا شخص بھی پاؤ گے جو مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر اس شخص کی تلاش میں نکلے گا جو اسے قبول کر لے مگر اسے ایسا کوئی آدمی نہیں ملے گا (البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ (256ھ)، الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول

اللہ ﷺ وسننہ وایامہ، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، حدیث نمبر 3595) ایک روایت میں مسافر عورت کے حضرموت (یمن کے انتہائی علاقہ) سے حیرہ تک کے سفر کا ذکر ہے (الحمیدی، عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ، ابوبکر (219ھ)، المسند، دارالسقا، دمشق، 1996ء، حدیث نمبر 940) جبکہ ایک اور روایت میں حیرہ اور یثرب (مدینہ منورہ) کے مابین سفر کا تذکرہ ہے (احمد بن محمد بن حنبل، ابوعبداللہ (241ھ)، المسند (تحقیق شعیب الارنؤ ط وغیرہ)، حدیث نمبر 19381)

23۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات شریعت، ص 292, 293

24۔ ایضاً، ص 294

25۔ ایضاً، ص 73, 74

26۔ ایضاً، ص 303

27۔ ایضاً، ص 68، حافظ ابن قیم الجوزیہ کے پرشکوہ الفاظ اس طرح ہیں:

فان الشريعة مبناها واساسها على الحكم و مصالح العباد فى المعاش والمعاد، وهى عدل كلها، ورحمة كلها، ومصالح كلها، وحكمة كلها، فكل مسألة خرجت عن العدل الى الجور، وعن الرحمة إلى ضدها، وعن المصلحة لى المفسدة، وعن الحكمة الى العبث، فليست من الشريعة وان ادخلت فيها بالتاويل، فالشريعة عدل الله بين عباده، و رحمته بين خلقه، وظله فى أرضه، و حكمته الدالة عليه وعلى صدق رسوله ﷺ أتم دلالة وأصدقها، وهى نوره الذى ابصر به المبصرون، وهداه الذى به اهتدى المهتدون، و شفاء ه التام الذى به دواء كل عليل، و طريقه المستقيم الذى من استقام عليه فقد استقام على سواء السبيل (ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر بن ایوب، شمس الدین (751ھ)، اعلام الموقعین عن رب العالمین (تحقیق محمد عبدالسلام ابراہیم)، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1411ھ)

ترجمہ: بلاشبہ شریعت کی بنیاد واساس حکمتوں اور دنیا وآخرت میں بندگان خدا کی مصلحتوں پر ہے، وہ تمام تر عدل ہے، ہر لحاظ سے رحمت ہے، تمام تر مصالح کا مجموعہ ہے اور مکمل طور پر حکمت ودانائی ہے، لہٰذا جو مسئلہ بھی عدل سے ظلم کی طرف، رحمت سے اس کی ضد (زحمت) کی طرف، اصلاح احوال سے فساد کی طرف اور حکمت

سے بے مقصدیت کی طرف نکل جائے گا تو وہ شریعت کا حصہ نہیں ہوگا خواہ اس کو تاویل وحیلوں سے اس میں داخل کر بھی دیا جائے۔ شریعت، اللہ کا اپنے بندوں کے مابین انصاف ہے، اپنی مخلوق کے مابین رحمت ہے، زمین پر اس کی چھاؤں ہے، اللہ پر اور رسول اللہ ﷺ کی سچائی پر بھرپور اور درست ترین رہنمائی کرنے والی حکمت ہے۔ وہ اللہ کا ایسا نور ہے جس کے ذریعہ دیکھنے والے حقائق دیکھتے ہیں، اور اس کی ایسی ہدایت ہے جس سے ہدایت یافتہ لوگوں نے رہنمائی پائی، وہ اس کی مکمل شفاء سے جو ہر بیمار کی دوا ہے اور اس کا سیدھا راستہ ہے کہ جس نے اس پر استقامت اختیار کر لی وہ سیدھے راستہ پر استقامت پا گیا)

28۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات شریعت، ص69

29۔ ایضاً، ص71

30۔ ایضاً، ص72

31۔ ایضاً

32۔ ابن منظور الافریقی، محمد بن مکرم بن علی، ابوالفضل جمال الدین (711ھ)، لسان العرب، دار صادر بیروت، 1414ھ، باب الراء المہملہ، ج4، ص434

33۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، ص380

34۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابوعیسیٰ (279ھ)، السنن (تحقیق احمد محمد شاکر)، حدیث نمبر 2266

35۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، ص374, 375

36۔ ایضاً، ص351

37۔ dictionary.combridge.org/dictionarty/british/first-among-equals

38۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات شریعت، ص298, 297

39۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، ص353

40۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات شریعت، ص305

41۔ اکرم بن ضیاء العمری، عصر الخلافۃ الراشدۃ، مکتبہ العبیکان، ج1، ص249

42۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ (خلاصہ ص361 تا 364)

43۔ ایضاً،ص372

44۔ ایضاً،ص378

45۔ ایضاً،ص372،محاضرات شریعت،ص293 ,308